الله جل جلالہ
خطباتِ فقیر
جلد تینتیس
33
خشیت، خوف اور خشوع کی حقیقت
دعوتِ دین کے مراحل
اللہ سے دوستی کیجئے
فتنوں سے حفاظت کیسے؟
پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003
خطباتِ فقیر
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

فہرست

❀❀❀❀

خوف، خشیت اور خشوع کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○﴾
(المؤمنون: ۱۔۲)

و قال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر:
﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸)
و قال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر:
﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ (نازعات: ۴۰)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

تین ہم معنی الفاظ:

قرآن مجید فرقان حمید میں تین الفاظ بہت قریب المعنی استعمال ہوئے ہیں۔
ایک خوف، دوسرا خشیت اور تیسرا خشوع
یہ تینوں اتنا قریب المعنی الفاظ ہیں کہ اکثر و بیشتر طلبا و علما ایک کی جگہ دوسرا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ان کے درمیان باریک سا فرق ہے۔

خوف:

خوف کہتے ہیں کہ آدمی کو اپنی غلطی کی وجہ سے سزا ملنے کا ڈر ہو۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک طالب علم نے کام نہیں کیا، سو گیا، استاد نے جب ہوم ورک چیک کرانے کے لیے کہا، اب یہ ڈر رہا ہے کہ اگر استاد نے میری کاپی چیک کر لی تو میں نے تو کام تو نہیں کیا ہوا، میری تو پٹائی ہوگی۔ تو اس کو کہتے ہیں خوف۔ عموماً یہ اپنی غلطی کے نتیجے میں انسان کے اوپر طاری ہوتا ہے۔

خشیت:

ایک ہوتی ہے خشیت۔ اس خشیت میں خوف کے ساتھ تعظیم بھی ہوتی ہے، محبت بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر: ایک آدمی نے رشتہ دار لڑکی سے شادی کر لی جو نہ عقل کی اچھی تھی نہ شکل کی اچھی تھی، پھر بانجھ بھی نکلی تو اس عورت کے دل میں ہر وقت ایک ڈر رہتا ہے، خاوند روٹھ نہ جائے۔ اب یہ جو اس کا ڈر ہے مار پٹائی والا ڈر نہیں ہے، یہ جدائی کا ڈر ہے، تو مار پٹائی والے معاملے کو خوف کہتے ہیں اور کسی کے ناراض ہونے کے ڈر کو یا کسی کے الگ ہو جانے یا روٹھ جانے کے ڈر کو خشیت کہتے ہیں۔

علما کے دل میں خوف بھی ہوتا ہے (اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی وجہ سے) مگر اس سے بڑھ کر خشیت ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی طرف سے شریعت و سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ اللہ کی شانِ بے نیازی کو جانتے ہیں۔ اور اس شانِ بے نیازی کی بنا پر وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی خفیہ تدبیر نہ ہو جائے، کہیں میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ پیش آ جائے کہ وہ مالک روٹھ جائے۔

اس لیے علم جتنا بڑھتا جاتا ہے یہ خشیت اتنی بڑھتی جاتی ہے۔ کیوں؟ علم بڑھنے

سے اللہ کی عظمت بڑھتی ہے، علم بڑھنے سے اپنے نقائص کھلتے ہیں، اب پتہ چلے گا کہ میں اتنا ناقص بندہ اور میرا رب اتنے کمالات والا، چنانچہ ڈر بڑھتا جائے گا کہ پتہ نہیں میرے ساتھ معاملہ کیا ہوگا؟ تو خوف اگر محبت کے ساتھ ہو تو یہ خشیت بن جاتی ہے۔

دیکھنا ایک بندہ سانپ سے بھی ڈرتا ہے مگر اس کے دل کے اندر کوئی سانپ کی محبت اور عظمت تو نہیں ہوتی، ضرر کا خوف ہوتا ہے۔ تو خوف کا تعلق ضرر کے ساتھ ہے اور خشیت کا تعلق محبت کے ساتھ ہے۔ کہیں میرا محبوب مجھ سے آنکھ نہ پھیر لے، میں محبوب کی نظر سے گر نہ جاؤں، کہیں وہ مجھے اپنے در سے دور نہ کر دے، یہ خشیت کہلاتی ہے۔

خشوع:

اور ایک تیسرا لفظ ہے خشوع، خشوع کسی کی عظمت کی وجہ سے اس کا رعب دل پر طاری ہونا، ہیبت طاری ہونا، اس کو خشوع کہتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے سمجھیں جیسے ایک خادم ہے جس کو بادشاہ اپنے پاس رکھتا ہے، اب وہ بادشاہ کے سامنے جاتے ہوئے مرعوب ہو رہا ہوتا ہے، کیونکہ اس کو اپنی اوقات کا بھی پتہ ہے اور بادشاہ کے اختیارات کا بھی پتہ ہے، تو بادشاہ کی عظمت کی وجہ سے، اختیارات کی وجہ سے اس کے دل پر ایک ہیبت ہوتی ہے۔ وہ بات آہستہ کرے گا، وہ شور بھی کسی کو نہیں مچانے دے گا...... چپ کرو! چپ کرو!...... یہ جو اس کے دل پر کیفیت ہے اس کو خشوع کہتے ہیں۔

خوف، خشیت اور خشوع میں فرق:

چنانچہ خوف کے مقام میں انسان شامل ہے کیونکہ مکلف ہے، جن اور انسان

شامل ہیں، کیونکہ گناہ کرتے ہیں اور گناہوں کی سزا ملنے کا دل میں ڈر ہوتا ہے۔ تو مقام خوف میں انسان اور جن یہ مکلفین ہیں اور اس سے اوپر خشیت اور خشوع ہے، وہ ایسے مقامات ہیں کہ جن میں علما شامل ہیں یا مقربین شامل ہیں۔ تو مختصر یہ سمجھ لیجیے کہ عوام الناس کے لیے مقامِ خوف ہوتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر سزا ملنے سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔ علما گناہوں سے بچتے ہیں، فرمانبرداری کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، مگر جانتے ہیں کہ ہمارے عمل بھی اس کی شان کے مطابق نہیں۔ اور وہ پروردگار بے نیاز بھی بڑا ہے، تو ڈر رہتا ہے کہ پتہ نہیں یہ عمل قبول ہوں گے یا نہیں۔ یہ مقامِ خشیت علما کے لیے ہے اور مقامِ خشوع مقربین کے لیے ہے۔ انبیائے کرام کے اوپر بھی خشوع کی کیفیت ہوتی ہے، دیکھیں! بسا اوقات ظاہر میں کیفیت ایک جیسی ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس میں فرق ہوتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ گھر میں مہمان آئے تو بڑے لوگ خوشی منا رہے ہیں کہ کل مہمان نے آنا ہے۔ دادا ابو حج سے آئیں گے...... نانی امی حج سے آئیں گی...... تو گھر کے بڑے لوگ بھی خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور بچے بھی خوش ہو رہے ہوتے ہیں۔ مگر ان کی خوشی میں فرق ہے، بڑوں کی خوشی یہ کہ وہ آئیں گے، بیٹھیں گے، باتیں کریں گے، حالات پوچھیں گے اور بچوں کی خوشی یہ کہ کل! اچھے اچھے کھانے بنیں گے۔ تو خوش تو دونوں ہو رہے ہیں مگر بچے کی خوشی میں اور بڑوں کی خوشی کی کیفیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تو خوف کو بھی ڈر کہتے ہیں خشیت کو بھی ڈر کہتے ہیں مگر کیفیت کا فرق ہے، خوف میں سزا ملنے کا ڈر اور خشیت میں ناراض ہو جانے کا ڈر، خفا ہونے کا ڈر، کہیں میں اپنے پروردگار کی نگاہوں میں گر نہ جاؤں، یہ ڈر غالب ہوتا ہے۔

اب دیکھیے! جمادات اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، لہٰذا جمادات کے لیے کہیں خوف کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ قرآن میں جمادات کے لیے خشیت اور خشوع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اب کوئی پوچھے کہ جی خشیت کیوں؟ تو بھئی! اللہ کی بے نیازی سے ڈرتے ہیں، پتھروں کو بھی ڈر ہے کہ جہنم کے اندر نہ ڈال دیا جائے۔ جہنم کی خوراک کیا ہے؟

﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (البقرۃ:۲۴)

''ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں انسان اور پتھر''

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ پتھر رو رہا ہے، پوچھا کہ بھئی! کیوں روتے ہو؟ جی میں رو رہا ہوں کہ کہیں اللہ مجھے جہنم کی غذا نہ بنا دے۔ بزرگ نے دعا مانگی، اللہ رب العزت نے خوشخبری دے دی کہ اسے جہنم میں نہیں ڈالیں گے۔ کچھ عرصے کے بعد واپس آئے تو پھر رو رہا ہے، بھئی! اب کیوں رو رہے ہو؟ تو کہنے لگا کہ

هُوَ بُكَاءُ الْخَوْفِ وَ هٰذَا بُكَاءُ السُّرُوْرِ

''وہ ڈر کا رونا تھا اور یہ خوشی کا رونا ہے''

تو پتھر نے کہا کہ اب میں اس خوشی میں رو رہا ہوں کہ اللہ نے مجھے جہنم سے محفوظ کر دیا۔ تو خشیت کے مقام میں تو پتھر بھی شامل ہیں اور ان کو بھی اللہ کی عظمت کا پتہ ہے۔ اور اللہ کے عرش پر بھی خشوع کی کیفیت ہوتی ہے۔ فرشتوں کے اوپر بھی خشوع کی کیفیت ہوتی ہے، اللہ کی عظمت کی وجہ سے۔ تو موٹا فرق یہی ہے کہ عوام الناس کے لیے مقامِ خوف ہے، علما کے لیے مقامِ خشیت ہے اور مقربین کے لیے مقامِ خشوع ہے۔

مقام خشوع

آیئے ذرا ان الفاظ کی تفصیل قرآن اور حدیث میں دیکھیں۔ خشوع کے حروفِ اصلی خ، ش اور ع ہیں۔ یہ مصدر ہے "خَشَعَ يَخْشَعُ" کا۔ دل میں ہیبت ہونا، عظمت الٰہی کی وجہ سے دل پر رعب ہونا، تعظیم کا نور دل میں روشن ہونا۔

اس لیے خشوع کے ساتھ اکثر اسم جلالہ "اللہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
"خَاشِعِيْنَ لِلّٰهِ" عظمت الٰہی کا تذکرہ۔

خشوع کا لفظ قرآن میں:

قرآن مجید میں اس خشوع کے لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے، مثال کے طور پر:

❶ اَلذُّلُّ پستی کے لیے۔

﴿وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ (طٰہٰ:۱۰۸)

"رحمٰن کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گے تو تم خفی آواز کے سوا کوئی آواز نہ سنو گے"

﴿وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا﴾

(سورۃ بنی اسرائیل:۱۰۹)

"اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے جاتے ہیں اور ان کی عاجزی اور بڑھ جاتی ہے"

قیامت کا دن ہوگا کوئی نہیں بول سکے گا، سب گونگے ہو جائیں گے۔

❷ سُكُوْنُ الْجَوَارِحِ اعضا کے اندر سکون ہو۔

جب کوئی بندہ کسی سے مرعوب ہوتو وہ پرسکون ہوجاتا ہے، خاموش ہوجاتا ہے، مرعوب ہوجاتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○﴾

(المؤمنون:۱۔۲)

○ مفردات میں ہے:

اَلْخَشُوْعُ الضَّرَاعَةُ وَ اَكْثَرُ مَا یُسْتَعْمَلُ فِیْمَا یُوْجَدُ عَلَی الْجَوَارِحِ

''کہ جوارح کے اوپر اس کے جو اثرات ہوتے ہیں یہ اس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔''

○ تفسیر روح البیان میں سہل بن عبداللہ کا قول ہے:

لَا تَكُوْنُ خَاشِعًا حَتّٰی تَخْشَعَ كُلُّ شَعْرَةٍ عَلٰی جَسَدِكَ وَ هٰذَا هُوَ الْخُشُوْعُ الْمَحْمُوْدُ

''اس وقت تک بندہ خشوع والا نہیں ہوسکتا جب تک جسم کے ہر بال میں خشوع نہ آئے اور یہ خشوع محمود ہے''

○ ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نمازی کو نماز میں داڑھی کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو فرمایا:

((لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ))

''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔''

رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اللہ کی عظمت کی وجہ سے اتنا بندہ مرعوب ہوتا ہے۔

○ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفصیل بتاتے ہیں:

اَلْمَحَبَّۃُ شَجَرَۃٌ طَیِّبَۃٌ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ

’’محبت شجرہ طیبہ کی مانند ہے جڑیں نیچے تک ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک‘‘

وَ ثِمَارُھَا تَظْھَرُ فِی الْقَلْبِ وَ اللِّسَانِ وَ الْجَوَارِحِ

’’اور جو اس کا پھل ہے وہ اعضاء جوارح اور زبان سے ظاہر ہوتا ہے۔‘‘

وَتَدُلُّ تِلْکَ الْاٰثَارُ الْفَائِضَۃُ مِنْھَا عَلَی الْقَلْبِ وَ الْجَوَارِحِ عَلَی الْمَحَبَّۃِ

’’اعضا اور جوارح پر پیدا آثار ظاہر ہونا محبت پر دلالت کرتا ہے‘‘

تو انسان کی زبان بولنے سے، اس کی حرکات سے، اعمال سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے دل کی حالت اور کیفیت کیا ہے؟ آگے فرماتے ہیں:

کَدَلَالَۃِ الدُّخَانِ عَلَی النَّارِ

’’جس طرح دھواں بتا دیتا ہے کہ یہاں آگ جل رہی ہے‘‘

اسی طرح جب دل میں محبت ہوتی ہے تو اعضا اور جوارح کی کیفیت بتا دیتی ہے کہ کس کی محبت دل میں ہے۔

وَ کَدَلَالَۃِ الثِّمَارِ عَلَی الْاَشْجَارِ

جس طرح پھل اپنے درخت کا پتہ دیتا ہے۔

یہ کیفیات دل کے اندر خشوع کا پھل ہوتی ہیں، جب خشوع حاصل ہو تو بس پھر تکبیرِ اولیٰ کہنے کے بعد اللہ کے سامنے، پھر مسجد میں قدم رکھتے ہی انسان کے اوپر ایک رعب طاری ہو جاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے تھے تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا، پیلا ہو جاتا تھا۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کبھی بڑی جنگوں کے موقع پر بھی نہیں گھبراتے اور یہاں ایسے گھبراتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہیں معلوم بھی ہے کہ میں کس شہنشاہ کے دربار میں حاضری دیتا ہوں؟ تو ان کو عظمتِ الٰہی کا پتہ ہوتا ہے، اس لیے مصلے پہ کھڑے ہو کر ان کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام ہمارے ساتھ گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے تھے، اچانک بلال کی آواز آتی تھی: اللہ اکبر، اللہ اکبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اٹھ کر مسجد کی طرف جاتے تھے جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔ اللہ کی عظمت دل میں آجاتی تھی کہ میرے مالک نے مجھے طلب کر لیا۔

اور اگر دل میں خشوع ہو تو پھر آنکھوں میں آنسوؤں کا آنا یہ اس کے ثمرات ہیں۔ گریہ وزاری کی وجہ سے آنکھیں بہتی رہتی ہیں۔

کیوں دل جلوں کی لب پہ ہمیشہ فغاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

❸ اور یہ رعب کے معنی میں بھی استعمال ہوا، قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ (الانبیاء:۹۰)

❹ اور تواضع کے لیے بھی استعمال ہوا۔

﴿ إِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ (البقرۃ:۴۵)

''بے شک یہ نماز بھاری ہے مگر خشوع والوں کے لیے''

چنانچہ خشوع کا تعلق دل کے ساتھ ہے، اظہار اس کا جوارح کر دیتا ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی علیہ السلام کو فرمایا:

إِذَا دَخَلْتَ الصَّلٰوةَ فَهَبْ لِيْ مِنْ قَلْبِكَ الْخُشُوْعَ وَمِنْ بَدَنِكَ الْخُضُوْعَ وَمِنْ عَيْنِكَ الدُّمُوْعَ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ

جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے دل سے مجھے خشوع دے۔ بدن کے اوپر خضوع ہو اور آنکھوں کے اندر آنسو ہوں، تو فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ میں بہت قریب ہوتا ہوں۔

خشوع اکابرینِ امت کی نظر میں:

امت کے علما نے اس لفظ کو کھولنے کے لیے مختلف الفاظ کہے اور فقرات بتائے ہیں:

- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لَيْسَ الْخُشُوْعُ فِي الرِّكَابِ إِنَّمَا الْخُشُوْعُ فِي الْقُلُوْبِ

''سواری میں خشوع نہیں ہوتا، خشوع تو انسان کے دل میں ہوتا ہے''

- سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اَلْخُشُوْعُ فِي الْقَلْبِ أَنْ تَلِيْنَ كَتِفَكَ لِلرَّجُلِ الْمُسْلِمِ

''جب دل میں خشوع ہوتا ہے تو مسلمان بھائی کے لیے انسان کندھے جھکا دیتا ہے''

- جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْخُشُوْعُ تَذَلُّلُ الْقُلُوْبِ لِعَلَّامِ الْغُيُوْبِ

''خشوع اللہ تعالیٰ کے لیے دل کو جھکانا ہے''

- ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يَلْتَئِمُ مِنَ التَّعْظِيْمِ وَ الْمَحَبَّةِ

”اللہ کی تعظیم اور محبت میں اچھا ہو جانا“

⊙ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ خَشَعَ قَلْبُهٗ لَمْ يَقْرُبْ مِنْهُ الشَّيْطَانُ

”جس کے دل میں خشوع ہوتا ہے، شیطان اس کے قریب نہیں آتا“

جس کے دل میں اللہ کی اتنی عظمت ہوگی، وہ تو معصیت کے بارے میں سوچے گا ہی نہیں، تو شیطان اس کے قریب پھٹکے گا کہاں؟

⊙ ابو یزید المدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اِنَّمَا اَوَّلُ مَا يُرْفَعُ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْخُشُوْعُ

”سب سے پہلے اس امت سے جو چیز اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہوگا“

آج دیکھو کہ نماز کے اندر خشوع بہت کم ہوتا ہے۔

مقامِ خشیت

دوسرا لفظ ہے ”خشیة“ اس کا مادہ ہے، خ ش ی۔

”اَلْخَشْيَةُ فِيْهِ الرُّجُوْعُ“

”خشیت میں رجوع ہوتا ہے۔“

خوف اور خشیت کا فرق یہ ہے کہ جس چیز کا خوف بڑھتا ہے تو انسان اس چیز سے دور بھاگتا ہے اور خشیت جتنی بڑھتی ہے انسان اللہ کے اتنا قریب ہوتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:

اَلْخَشْيَةُ خَوْفٌ يَشُوْبُهٗ تَعْظِيْمٌ وَ اَكْثَرُ مَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ عَنْ عِلْمٍ

بِمَا يَخْشٰى مِنْهُ

”خشیت ایسا خوف ہے جس میں تعظیم ہو اور اکثر یہ خشیت والے علم سے ہوتا ہے“

خشیت کا لفظ قرآن میں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

”علما ہی اللہ رب العزت سے ڈرنے والے ہیں“

﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ (یٰس:۱۱)

”جو خدا سے غائبانہ ڈرے اسے مغفرت اور بڑے اجر کی بشارت دو“

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ (بینہ:۸)

”یہ صلہ ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا“

﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ (زمر:۲۳)

”جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں“

خشیت اور علم:

چنانچہ اللہ کی عظمت اور بے نیازی کو سامنے رکھ کر دل کے اندر جو کیفیت آتی ہے اس کو علما کی علامت بتایا گیا ہے، جتنا علم بڑھے گا اتنی خشیت بڑھتی جائے گی اور اگر علم بڑھنے کے ساتھ خشیت نہ بڑھے تو پھر سمجھ لیں کہ ہمیں محرومی ہو رہی ہے۔ ہمیں علم

حاصل نہیں ہو رہا معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی نے ریل کا سفر کرنا ہوتا ہے تو وہ درمیان میں دیکھتا رہتا ہے کہ اب کون سا اسٹیشن آیا، اب کون سا اسٹیشن آیا۔ مثلاً لاہور سے کراچی کے لیے بیٹھا تو راستے کے شہروں کو وہ دیکھتا جاتا ہے کس قسم کے اسٹیشن تھے۔ پہلے فلاں اسٹیشن آیا، پھر خانیوال آیا، پھر ملتان آیا، اس کو پتہ چلتا ہے کہ ہاں میں قریب ہو رہا ہوں۔ اور اگر وہ لاہور سے بیٹھے کراچی کی ٹرین پر اور راستے میں اس کو نظر آ جائے جہلم، گجرانوالہ اور گجرات تو وہ پہچان لیتا ہے کہ میں تو دوسری سمت جا رہا ہوں۔

بالکل اسی طرح طلبا اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں اگر خشوع کی علامات نظر آتی ہیں تو گاڑی منزل کی طرف جا رہی ہے اور اگر خشوع کی علامات نظر نہیں آ رہیں تو معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کی بجائے ہم نفس کی رضا والی سمت کی طرف چل رہے ہیں۔ پھر ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ کہاں گڑبڑ ہو رہی ہے۔ تو اپنے آپ ٹٹولتے رہنا چاہیے، دیکھتے رہنا چاہیے، ہاں اگر عقل ہی جواب دے دے تو بات اور ہے۔ پھر تو وہ سکھ والی بات ہوئی نا کہ جانا تھا اس نے کراچی کی ٹرین سے اور غلطی سے بیٹھ گیا پنڈی کی ٹرین پر، تھکا ہوا تھا، اپنی سیٹ پر آ کے سو گیا، برتھ پر آ کے سو گیا۔ جب سو سو کے اٹھا، نیچے لوگ باتیں کر رہے تھے، پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ کہا کہ پنڈی جا رہے ہیں۔ تو کہتا ہے کہ سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے کہ نیچے والے پنڈی جا رہے ہیں اوپر والے کراچی جا رہے ہیں۔ اگر تو ایسی عقل ہے تو پھر تو گلہ نہیں ہے اور اگر اللہ نے عقل کی رتی دی ہے تو انسان اپنی حالت کو دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ میں کس سمت میں جا رہا ہوں۔

﴿فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾ (التکویر:۲۶)

''تم کدھر جا رہے ہو؟''

اگر ہمارے اعمال کے اندر اضافہ ہو رہا ہے، ہماری نماز کی کیفیت پہلے سے بہتر ہو رہی ہے، ہمیں تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے اللہ رب العزت کے تعلق کی کیفیت محسوس ہوتی ہے، گناہ سے ہم اس طرح دور بھاگتے ہیں جس طرح بچھو سے دور بھاگتے ہیں، تو یہ خشیت والی علامات ہیں۔ اور اگر آنکھ ادھر بھی اٹھ کر دیکھتی ہے، ادھر بھی دیکھتی ہے، نماز کی پروا نہیں، غیبت آسانی سے کر لیتے ہیں، جھوٹ آسانی سے بول لیتے ہیں، تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اسٹیشن کوئی اور ہے جس کی طرف ہم جا رہے ہیں۔

خشیت احادیث کی روشنی میں:

⊙ یہ خشیت کی کیفیت اللہ کو بہت پسند ہے، حدیث مبارک میں فرمایا:

((عَیْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ))

دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔

((عَیْنٌ بَکَتْ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَ عَیْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ))

''وہ آنکھ جو اللہ کی خشیت کی وجہ سے رو پڑتی ہے، اور وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو۔''

⊙ ایک دوسری حدیث مبارکہ میں فرمایا:

((لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ قَطْرَتَیْنِ اَوْ اَثَرَیْنِ))

’’کوئی چیز اللہ کو دو قطروں یا دو نشانوں سے زیادہ محبوب نہیں‘‘

ان میں سے ایک ہے:

((قَطْرَةٌ مِنْ دُمُوْعٍ فِيْ خَشْيَةِ اللّٰهِ))

’’کہ آنکھوں کا وہ قطرہ جو اللہ رب العزت کی خشیت کی وجہ سے آنکھ سے نکلتا ہے۔‘‘

◉ ایک اور حدیث پاک میں فرمایا:

((مَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يُصِيْبَ الْاَرْضَ مِنْ دُمُوْعِهٖ لَمْ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ))

’’جو بندہ اللہ کو یاد کرے کہ آنکھ سے آنسو نکل آئیں، حتیٰ کہ زمین پر آنسو گر پڑے، اللہ رب العزت اس بندے کو قیامت کے دن عذاب نہیں دیں گے۔‘‘

اس لیے جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے نبی! ہم ہر چیز کا قیامت کے دن وزن کریں گے سوائے گناہگار کے آنسو کے، ہم اس کا وزن بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہگاروں کے سمندروں جتنے گناہ بھی ہوں گے تو معاف کر دیں گے۔

◉ تو یہ خشیت اللہ سے مانگنی چاہیے، اللہ ہمیں بھی عطا فرما دے۔ دعا سکھائی:

((اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ مَعْصِيَتِكَ وَ مِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَ مِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَ مَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَ اَبْصَارِنَا وَ قُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَ اجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَ اجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَ انْصُرْنَا عَلٰى

مَنْ عَادَانَا وَ لَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا وَ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا))

''یا اللہ ہمیں حصہ دے اپنے خوف سے اتنا کہ حائل ہو جائے ہمارے اور گناہوں کے درمیان ، اور اپنی عبادت سے کہ اتنا کہ پہنچا دے ہمیں جنت میں ، اور یقین سے اتنا کہ سہل کر دے ہم پر دنیاوی مصیبتیں اور ہماری سماعتیں اور بصارتیں اور قوتیں کار آمد بنا دے جب تک ہمیں زندہ رکھے ، اور اس کی خیر ہمارے بعد باقی رکھنا ، اور اس سے ہمارا انتقام لے جو ہم پر ظلم کرے ، اور مدد دے ہمیں اس پر جو ہم سے دشمنی کرے ، اور مت کر مصیبت ہماری ہمارے دین میں اور دنیا کو ہمارا مقصودِ اعظم نہ بنا اور ہماری معلومات کی انتہا نہ بنا اور اس کو ہم پر مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے''

کتنی خوبصورت یہ دعا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اسے زبانی یاد کریں اور ہر نماز کے بعد اس کو مانگنے کا اہتمام کریں تاکہ اگر اللہ نے علم دیا ہے تو وہ علم خشیت کا پھل بھی لے آئے ، ورنہ جس طرح پیپل کا درخت بے قیمت ہوتا ہے ، انسان کا علم بھی اللہ کی نظر میں بے قیمت ہو جائے گا۔

خشیت اکابرینِ امت کی نظر میں:

○ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اتنا اہتمام فرماتے تھے:

شَاوِرْ فِي أَمْرِكَ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ اللهَ

''کہ اپنے کاموں میں صرف ان سے مشورہ کیا کرو جن کے دلوں میں اللہ کی خشیت ہوتی ہے۔''

○ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

لَيْسَ الْعِلْمُ مِنْ كَثْرَةِ الْحَدِيْثِ وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ مِنَ الْخَشْيَةِ

’’حدیث زیادہ روایت کرنے کا نام علم نہیں ہے، اللہ کی خشیت کا دوسرا نام علم ہے‘‘

○ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ خَشِيَ اللّٰهَ بِالْغَيْبِ، رَغِبَ فِيْمَا رَغَّبَ اللّٰهُ فِيْهِ زَهِدَ فِيْمَا اَزْهَدَكَ اللّٰهُ

’’مومن وہ ہے جو اللہ رب العزت سے ڈرتا ہے بن دیکھے۔ جن چیزوں میں اللہ نے مشغول ہونے کا حکم دیا ان میں مشغول ہو جاتا ہے اور جن سے بچنے کا حکم دیا وہ ان سے بچ جاتا ہے‘‘

○ مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

كَفٰى بِالْمَرْءِ عِلْمًا اَنْ يَّخْشَى اللّٰهَ وَ كَفٰى بِالْمَرْءِ جَهْلًا اَنْ يُّعْجَبَ بِعِلْمِهٖ

بندے کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ اس میں خشیت آجائے اور بندے کے لیے اتنی جہالت کافی ہے کہ علم کے اوپر عجب کرنے لگے۔

○ چنانچہ محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی:

﴿ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ (الزمر:۴۷)

’’انہیں ایسا معاملہ پیش آئے گا کہ انہیں گمان بھی نہ ہوگا‘‘

پھر فرمایا:

وَقَالَ اَنَا اَخْشٰى اَنْ يَّبْدُوَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ اَكُنْ اَحْتَسِبُ

''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا معاملہ نہ شروع کر دیا جائے جس کا مجھے اللہ سے گمان ہی نہ ہو۔''

○ سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

اَلْخَشْيَةُ هِيَ الَّتِيْ تَحُوْلُ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ

''خشیت جب آتی ہے تو بندے اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہے۔''

حزن اور خوف:

ایک بات ذہن میں رکھنا کہ ایک ہوتا ہے حزن اور ایک ہوتا ہے خوف۔ جب انسان کے دل میں حزن بڑھتا ہے تو اس کا کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے۔ جو طالب علم فیل ہو گیا، اس کا کھانے پینے کو دل نہیں چاہتا۔ جس عورت کو طلاق ہو گئی، کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ ماں کا بیٹا فوت ہو گیا، کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ تو جس طرح حزن کی وجہ سے کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے، خشیت کی وجہ سے اسی طرح گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔ دل میں جب اللہ کی خشیت ہوتی ہے تو پھر انسان گناہوں سے بچتا ہے، دور بھاگتا ہے، جیسے بچھو سانپ سے دور بھاگتا ہے، ایسے گناہوں سے دور بھاگتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

مَنْ لَّمْ يَخْشَى اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فَلَيْسَ بِعَالِمٍ

''جس کے دل میں اللہ کی خشیت نہ ہو وہ عالم ہی نہیں ہے''

تو خشوع ہوتا ہے اللہ کی عظمت کی وجہ سے مرعوب ہونا، پر ہیبت ہونا۔ اور اللہ کی بے نیازی کی وجہ سے اللہ سے ڈرنا، گناہوں سے بچنا، یہ خشیت ہے۔

مقام خوف

اور تیسرا لفظ ہے خوف۔ یہ میرے اور آپ کا مقام ہے، عوام الناس کا مقام ہے۔ ہمیں کیوں کہ غلطیوں کا پتہ ہوتا ہے، اس لیے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہیں عذاب کا کوڑا نہ پڑ جائے۔

اَلْخَوْفُ فِيْهِ ضِرَارٌ

''خوف میں نقصان کا ڈر ہوتا ہے۔''

چنانچہ فرمایا:

''هُوَ انْزِعَاجٌ مِنْ اِنْتِقَامِ الرَّبِّ''

''اللہ کے انتقام کی وجہ سے بندے کا بے قرار ہونا، اس کو خوف کہتے ہیں۔''

چنانچہ خوف کا لفظ فقط انسان کے لیے ہے، مکلّف جو ہے۔

علمی نکتہ:

لیکن اس میں ایک اور لطیف نکتہ ہے کہ اللہ رب العزت نے خوف کا جہاں تذکرہ کیا وہاں اکثر اپنے صفاتی ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً

﴿يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ (الرعد:۲۱)

﴿لِمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ (ھود:۱۰۳)

یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور مفعول بہ کا تذکرہ کہیں نہیں۔

﴿اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ (مریم:۴۵)

﴿يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (ذاریات:۳۷)

﴿يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ﴾ (الانعام:۵۱)

تین مقام ایسے ہیں جہاں خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی نام کا تذکرہ کیا۔ یہ نکتہ سمجھنے والا ہے کہ اکثر و بیشتر تو دوسری طرح سے تذکرہ کیا، قرآن پاک میں تین مقام ایسے ہیں کہ جن میں اللہ رب العزت نے اسم ذات کے ساتھ خوف کا تذکرہ کیا مگر یہ وہ جگہیں تھی جہاں پہلے معصیت کا تذکرہ تھا۔ مثال کے طور پر:

﴿لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ (المائدہ:۲۸)

اب دیکھیں یہاں خوف کے ساتھ اللہ نے ذاتی نام استعمال کیا۔ کیونکہ؟ گناہ کی بات ہو رہی ہے۔

﴿وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ ...... إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ﴾ (الانفال:۴۸)

پہلے گناہ کا تذکرہ ہوا، آخر پر فرمایا۔ أَخَافُ اللّٰهَ

﴿فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾

(حشر:۱۶)

تو جہاں گناہ کا تذکرہ ہوا، اللہ نے اپنے نام کے ساتھ خوف کا تذکرہ کروایا ہے۔ معصیت کرو گے تو میں ذاتی نام دے کر کہتا ہوں کہ میں تمہاری پٹائی کروں گا۔ یہ معنیٰ ہے یہاں۔ جیسے باپ بچے کو سمجھاتا ہے کہ میں نے تمہیں کئی مرتبہ سمجھا دیا، تو بعض نہیں آتا، اب میں تمہیں کہہ رہا ہوں آئندہ تو نے بغیر اجازت گھر سے باہر قدم رکھا تو میں تمہاری پٹائی کروں گا۔ تو دیکھیے! جہاں معصیت کا تذکرہ تھا حکم خدا کو توڑنے کا معاملہ تھا تو پروردگار عالم نے وہاں ذاتی نام لے کر بات کی کہ میرے حکموں کو توڑو گے تو پھر تمہاری گوشمالی میں کروں گا، پھر میں تمہیں سیدھا کرنا جانتا ہوں۔

حدیث مبارکہ میں بھی اسی طرح ہے سات بندوں کو اللہ عرش کا سایہ دے گا

ایک وہ بندہ:

((رَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ حَسَنٍ وَّ جَمَالٍ..... فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ))

تو دیکھا! معصیت سے بچنے کے لیے ذاتی نام کو استعمال کیا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے ہاں ایک قانون ہے، اس کو کہتے ہیں قانونِ جزا اور سزا۔ انگلش کا فقرہ ہے (Tit for Tat) ادلے کا بدلہ۔ یہی حال شریعت کا ہے، جیسے کرنی ویسے بھرنی۔ نیکی کریں گے تو اللہ کی طرف سے انعامات ملیں گے، نافرمانی کریں گے تو اللہ رب العزت کی طرف سے سزا ملے گی۔

قرآن پڑھتے ہوئے کیفیت کیا ہونی چاہیے؟

یہاں ایک نکتے کی بات: اگر آپ کے ہاتھ میں رجسٹری ہو کسی مکان کی تو اس کو پڑھتے ہوئے آپ محسوس کرتے ہیں کہ کوئی دستاویز ہے جس کو میں پڑھ رہا ہوں۔ اس کی ایک کیفیت ہوتی ہے دل میں۔ عجیب بات ہے کہ قرآن پاک کو پڑھتے ہوئے ہماری یہ کیفیت نہیں ہوتی کہ یہ بھی کوئی دستاویز ہے میرے پروردگار کی۔ قرآن مجید میں اتنے واقعات بتائے گئے، وہ وقت گزاری کے لیے نہیں سنائے گئے، وہ واقعات سمجھانے کے لیے نصیحت کے طور پر بتائے گئے۔

مثلاً یہ سمجھایا گیا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کو دیکھو کہ اکثریت پر ناز تھا، انہوں نے ہمارے حکموں کو نہ مانا اور اکثریت کے اوپر فریفتہ رہے، تو دیکھو! ہم نے ان کو تباہ کیا نتیجہ کیا کہ تم بھی اگر اکثریت کے اوپر نازاں ہو کر ہمارے حکموں کو توڑو گے تو پھر ہم بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں گے۔

قومِ عاد کے بارے میں بتایا کہ ان کو بھی اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا، کہتے تھے:

﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ ”کون ہے ہم سے زیادہ طاقتور“

اب دیکھو ہم نے ان کو کیسے زمین کے اوپر لٹا دیا۔ تم اگر اپنی طاقت پر ناز کرو گے تو پھر ہم بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں گے۔

بنی اسرائیل پہ غور کرو! اپنی منشاء پوری کرنے کے لیے، انہوں نے ”یوم السبت“ کو مچھلیاں پکڑیں تو نتیجہ کیا نکلا کہ ہم نے ان کی شکلوں کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ یہ تو اللہ کے حبیب کی رحمۃ للعالمینی کا صدقہ ہے کہ اللہ نے اس امت کی شکلیں بدلنے کی دعا کو قبول فرما دیا کہ میں شکلیں نہیں بدلوں گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لیکن جو بھی اللہ نافرمانی کرتا ہے، اللہ اس کی باطنی شکل کو بدل دیتے ہیں، انسان اندر سے سور کی طرح، اندر سے کتے کی طرح، اندر سے بندر کی طرح بن جاتا ہے، باطن کی شکل مسخ ہو جاتی ہے۔

دیکھو صالح علیہ السلام کی قوم تھی حکم خدا کو نہیں مانا چیخ آئی اور ساری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس عاجز کو اللہ نے ان کے مکانات دیکھنے کی توفیق دی۔

﴿وَ يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ (حجر:۸۲)

پہاڑوں کو کھود کر گھر بنائے، حیران ہوتے ہیں کہ اتنے اونچے گھر پہاڑوں میں انہوں نے بنائے لیکن تباہ کر دیے گئے۔

قومِ شعیب نے ناپ تول میں کمی بیشی کی، اللہ رب العزت نے ان کے اوپر بھی عذاب نازل کیا۔

قومِ لوط نے بے حیائی کا معاملہ کیا، اللہ رب العزت نے زمین کے ٹکڑے کو اوندھا کر دیا اور ان کے اوپر پتھروں کی بارش کر دی۔

یہ ساری مثالیں اس لیے سمجھائی گئی کہ تمہیں بھی اگر یہی صورت پیش آئی تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ آپ خود غور کریں کہ کبھی ہم نے اس نیت سے ان واقعات کو پڑھا کہ اے اللہ! پہلی قوموں کے ساتھ جو ہوا ہم ان سے بچیں گے۔ ہم نے کبھی فرعون کا واقعہ اس نظر سے پڑھا کہ ہم تکبر سے بچیں گے، عجب سے بچیں گے، اللہ کی فرمانبرداری کریں گے۔ ہم تو بس واقعات برائے واقعہ پڑھتے ہیں۔

قرآن مجید میں اصحاب کہف کا واقعہ ہے کہ دیکھو!

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ (الکہف:۱۳)

ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے کہ تمہارے اوپر کوئی ظالم جابر بادشاہ مسلط ہو جائے تو تمہیں ہجرت کرنی پڑے گی جیسے وہ ایمان بچانے کے لیے نکل پڑے تھے، تو ان کو نجات دے دی۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تم حاسدین میں گھر جاؤ تو رہنمائی کے لیے ہم سورۃ یوسف میں یوسف علیہ السلام کا واقعہ سنا رہے ہیں کہ پیارے یوسف علیہ السلام حاسدین میں گھر گئے تھے مگر انہوں نے میرے حکموں کی فرمانبرداری کی۔ گناہ کے مواقع بھی آئے مگر انہوں نے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ قال معاذ اللہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جیل جانا پڑا، جیل چلے گئے، مگر گناہ کی دعوت قبول نہ کی۔ اب ذرا غور کرو! انہوں نے صبر کیا، نفس کو ضبط کیا، گناہوں سے بچایا، میری فرمانبرداری کی، تو اس وجہ سے دیکھو میں نے کیا کیا؟ نہ برادری وہاں تھی، نہ بھائی وہاں تھے، نہ والد وہاں تھے، نہ واقف لوگ وہاں تھے، ایک اجنبی بندہ تھا پورے مصر ملک کے اندر۔ میں نے حالات کو ایسا پلٹا کہ ان کو وقت کا بادشاہ بنا دیا، تخت پہ بٹھا دیا۔ ہم کو سبق دیا کہ دیکھو تم صبر کرو گے اور تقویٰ کو اختیار کرو گے تو مخالفت کے باوجود ہم تمہیں فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیں

گے۔ اس لیے اس کو احسن القصص کہا کہ نوجوانوں اس قصے کو پڑھ کر تم سبق سیکھو! ہم نے سورۃ یوسف کو آج تک بھی اس نظریے سے پڑھا کہ سورۃ یوسف میں اللہ نے یوسف علیہ السلام کو کیسے عزتوں سے نوازا، جن کاموں سے وہ بچے ہم بھی بچیں گے، جو کام انہوں کیے ہم بھی کریں گے۔ ہم تو پڑھتے ہیں جیسے اخبار کی خبر پڑھ رہے ہوتے ہیں، یہ فرق ہے۔ بلکہ اخبار کی خبر پڑھ کے بھی کچھ تاثر لے لیتے ہیں قرآن کے واقعات پڑھ کر اتنا بھی اثر نہیں لیتے۔

اللہ والوں کا قرآن پڑھنے کا انداز:

اور اللہ والے قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں دستاویز سمجھ کر کہ یہ شاہی دستاویز ہے۔ جو بتایا گیا بالکل اسی طرح ہو کر رہے گا۔ یہ میرے مالک کا فرمان ہے۔ یہاں آ کر عوام میں اور علما میں فرق آ جاتا ہے۔ قرآن انہوں نے بھی پڑھا، صرف ثواب کی نیت سے کہ ہر ہر حرف پر دس نیکیاں مل جائیں گی، عوام کا قرآن پڑھنا اسی حد تک۔ علما بھی قرآن پڑھتے ہیں، مگر قرآن پڑھ کر دیکھتے ہیں کہ میری زندگی اس کے مطابق ہے یا نہیں۔

چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عرب تھے، ان کو عرب زبان سیکھنی نہیں پڑتی تھی۔ فرماتے تھے کہ میں نے سورۃ بقرہ کو اڑھائی سال کے اندر مکمل کیا، وہ کیسے؟ ایک آیت پڑھتے تھے، دیکھتے تھے کہ زندگی مطابق ہے یا نہیں، دوسری آیت پڑھی زندگی مطابق ہے یا نہیں۔ ادھر قرآن ختم ہوتا تھا، ادھر سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک قرآن کا عمل مکمل ہو جاتا تھا۔ ہم بھی قرآن پڑھتے ہیں، الفاظ ادا ہو رہے ہوتے ہیں پڑھ کیا رہے ہوتے ہیں؟ پتہ بھی نہیں چلتا۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے قرآن مجید حرم میں بیت اللہ کے سامنے بیٹھ کر اس طرح مکمل کیا کہ ایک آیت پڑھتا تھا اور آیت کے مناسب جو دعا ہوتی تھی وہ مانگتا تھا۔ بشارت کی آیت ہے تو جنت کی دعا اور اگر ڈرانے والی آیت ہے تو جہنم سے پناہ۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں الـــم سے قرآن شروع کیا، ہر آیت پڑھ کے دعا مانگتا پھر آیت پڑھتا پھر دعا مانگتا، حتیٰ کہ میں نے پورا قرآن بیت اللہ کے سامنے بیٹھ کر مکمل کیا۔ ہم بھی قرآن پڑھتے ہیں کبھی یہ خیال ذہن میں آیا، یہاں فرق ہے عوام میں اور علما میں کہ علما قرآن مجید کو ایک سرکاری دستاویز سمجھ رہے ہوتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ایک ایک لفظ اور حرف جو لکھا ہوا ہے اس کا اپنا ایک مقصد ہے، وہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہ قانونِ خداوندی ہے، قانون بنانے والا اتنا قوی ہے کہ وہ قانون کو لاگو کرنا جانتا ہے۔ جو شریعت کے قانون سے ٹکرائے گا، یقیناً پاش پاش ہو جائے گا۔ بندہ پہاڑ کو ٹکر مارے تو سر تو پھوٹنا ہوتا ہے نا، تو جو قرآن کے پہاڑ کے ساتھ ٹکر مارے تو اپنا ہی سر پھوڑنے والی بات ہے۔ اس لیے علما کے دل کے اندر خشیت ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں اللہ رب العزت کی عظمت کو اور اس کے جلال کو۔

چنانچہ نبی علیہ السلام نے خود بھی پہلی قوموں کے واقعات سنائے، وہ واقعات وقت گزاری کے لیے تو نہیں سنائے کہ وقت گزر نہیں رہا تھا، چلو بھائی واقعات ہی سناؤ۔ جیسے ہم فون پر بات کرتے ہیں کہ ''اور کی حال ہے''۔ کہنے کی بات تو ہوتی نہیں تو کبھی بارش کی بات، کبھی گرمی کی بات، نبی علیہ السلام نے جو بات بھی کہی مقصد کے تحت کہی۔

چنانچہ پہلی قوموں کے تذکرے بتائے کہ دیکھو نیکی کرنے والے کا یہ انجام ہے تین بندے نکلے، غار میں پھنس گئے، ایک نے یہ دعا مانگی دوسرے نے یہ مانگی اور

تیسرے نے یہ دعا مانگی، اللہ نے ان کو نجات دے دی۔ مقصد یہ تھا کہ اے قوم! تم بھی اگر ان حالات کی غار میں پھنس جاؤ تو اللہ کے سامنے اپنے اعمال کو پیش کرنا، اللہ تمہیں بھی نجات عطا فرما دیں گے۔

فرمایا کہ سو بندوں کا قاتل، نیکوں کی بستی کو چلا، مغفرت ہوگئی، بتانا تھا کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہو جائے تو تم بھی اللہ کی طرف رجوع کرنا، اللہ تمہارے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا۔ ذاالکفل کا قصہ نبی علیہ السلام نے کئی مرتبہ سنایا کہ اس نے ایک عورت کو پیسے دے کر برائی پر امادہ کر لیا، عورت اللہ سے ڈرنے لگی، کانپنے لگی، پوچھنے پر بتایا کہ میں نے کبھی یہ گناہ نہیں کیا، مجبوری میں میں نے ہاں کی ہے، تو دل پہ اللہ کا خوف ہوا پیسے بھی چھوڑ دیے اور گناہ کیے بغیر عورت کو بھی بھیج دیا، اللہ رب العزت نے توبہ کو قبول کر لیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ نبی علیہ السلام سے پچیس مرتبہ سنا۔ پچیس مرتبہ اللہ کے نبی یہ بات سنائی اور اس بندے نے سنی۔ اور جب وہ نہیں ہوں گے پھر سنائی ہوگی تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ درجنوں مرتبہ اللہ کے نبی نے یہ واقعہ سنایا۔ واقعہ سنانے کا مقصد ذہن سازی کرنا تھا کہ دیکھو تم اگر کبیرہ گناہ سے بچو گے، اللہ تمہارے ساتھ بھی خیر کا معاملہ فرمائیں گے۔

ایک طائفہ عورت کتے کو پانی پلاتی ہیں، اللہ رب العزت بخشش فرما دیتے ہیں۔ تو قصہ سنانے کا مطلب کیا تھا کہ ایک کتے کے ساتھ بھلا کرنے پر اللہ اتنے خوش ہوتے ہیں اور تم اگر اللہ کے بندوں کے ساتھ بھلا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا۔ تو معلوم ہوا کہ ہمیں قرآن اور حدیث کو پڑھ کر ان واقعات کو پلے باندھنا چاہیے۔ جب گناہ کا موقعہ آئے فوراً سوچیں کہ اگر میں نے یہ گناہ کیا تو قیامت کے دن مجھے گناہوں کی سزا سے کوئی بچا نہیں سکے گا۔

﴿ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴾ (الانعام:۱۵)

''میں ڈرتا ہوں کہ اگر گناہ کروں گا تو پروردگار قیامت کے دن سزا دے گا''

اس آیت کو یاد کر لیجیے! ہر وقت اس کو ذہن میں رکھیں۔

خوف میں خیر:

یہ خوف ہوتا تھا، ہمارے اکابر کے دلوں میں۔ اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی تو قیامت کے دن شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ جیسے لوگوں کو دو اور دو چار پہ یقین ہوتا ہے، ہمارے اکابر کو آخرت کے معاملوں پر ایسا ہی یقین ہوتا تھا۔ انہیں یقین ہوتا تھا کہ ہم نے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

چنانچہ خوف کے بارے میں فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ خَافَ اللّٰهَ دَلَّهُ الْخَوْفُ عَلٰى كُلِّ خَيْرٍ

''جو اللہ سے ڈرا، اس کا خوف ہر چیز کی خیر کے اوپر اس کی دلیل ہے۔''

ابو الحسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْخَوْفُ زِمَامٌ بَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ بَيْنَ عَبْدِهٖ

''خوف اللہ اور بندے کے درمیان ایک رسی کی مانند ہے''

جیسے نکیل ہوتی ہے جانور کی، اس سے پکڑا ہوا ہوتا ہے، جاتا نہیں کہیں، خوف بندے اور اللہ کے درمیان ایک رسی کی مانند ہے۔

وَ إِنِ انْقَطَعَ زِمَامُهٗ هَلَكَ مَعَ الْهَالِكِيْنَ

''جب وہ رسی چھوٹ گئی، ٹوٹ گئی، ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا''

خائف کی علامات

خوف کی کچھ علامات ہوتی ہیں، فرمایا:

○ اَللِّسَانُ

زبان سے خوف کی علامت یہ ہے کہ

یَمْنَعُهٗ مِنَ الْکِذْبِ وَ الْغِیْبَةِ وَ النَّمِیْمِ وَ الْبُهْتَانِ وَ کَلَامِ الْفُضُوْلِ

''یہ اسے روک دیتا ہے جھوٹ، غیبت، بہتان اور فضول کلام سے''

دو گناہ آج بہت عام ہیں، ایک گناہ غیبت کا کرنا، اتنے آرام سے غیبت کر دیتے ہیں کہ جیسے یہ بالکل جائز ہے اور منع کرنے سے بھی کہتے ہیں کہ جی ہم حقیقت بات کر رہے ہیں کوئی جھوٹ تھوڑی بول رہے ہیں۔ بھئی! حقیقت بات کو ہی تو غیبت کہتے ہیں، جھوٹ ہوگا تو بہتان بنتا، تو غیبت کا جیسے احساس ہی نہیں کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور کتنا کبیرہ گناہ فرمایا:

((اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا)) ''غیبت زنا سے بھی بڑھ کر بری ہے''

اور دوسرا گناہ سیل فون پر غیر محرم سے باتیں کرنا، آج کے دور میں یہ گناہ بہت عام ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ دو منٹ، پانچ منٹ ...... گھنٹوں بات کرنا۔ کفر کی چالاکیاں دیکھو کہ کفر نے اپنے نیٹ ورک کی پالیسیاں ایسی بنائی ہیں کہ ''کرو بات ساری رات'' بڑے بڑے بورڈ لگائے ''کرو بات ساری رات'' خوب جہنم خریدو!

○ اَلْقَلْبُ

قلب میں علامت کیا ہے؟

یَخْرُجُ مِنْهُ الْعَدَاوَةُ وَ الْحَسَدُ وَ الْعُدْوَانُ

''اس سے کینہ، حسد اور دشمنی نکل جائے''

کینہ، عجب، حسد، ہر چیز دل سے نکل جائے یہ خائف کی پہچان ہوتی ہے اور اگر غیر محرم کی نفسانی اور شیطانی محبت ہے، اس کو بھی دل سے نکال دینا۔

○ اَلنَّظَرُ

نظر میں خائف کی علامت:

فَلَا یَنْظُرُ اِلَی الْحَرَامِ

''حرام کی طرف نہ دیکھے''

جس چیز کو شریعت نے منع کیا، اس چیز کو نہیں دیکھتے، بدنظری سے بچیں۔

○ اَلْبَطْنُ

پیٹ میں خائف کی علامت:

لَا یَدْخُلُ فِیْهِ الْحَرَامِ ''اس میں حرام کا دخل نہ ہو''

کوئی مشتبہ اور حرام چیز نہ کھائیں اگر وہ پیٹ میں چلی گئی تو انسان کے لیے نقصان کا سبب بنے گی۔ آج کل تو غیروں کے بھی ریسٹورنٹ بن گئے۔ وہ ایک ہے پیزا ہٹ، میں جب اسے دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ پیچھے ہٹ، تو ایسی جگہوں کی چیزیں جو مسلمان نہیں چلا رہے، بلکہ فرنچائز ڈشیں ہیں، باہر سے ان کے سب فارمولے آتے ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔ گھر میں کوئی ڈش بنا کے کھاؤ کس نے منع کیا ہے، ہاں اگر ڈاکٹر نے منع کیا ہے تو اور بات ہے۔ گھر میں بھی نہ کھاؤ مگر حلال کھائیں حرام آمدنی سے بچیں۔ سود سے بچیں، رشوت سے، ملاوٹ سے، دھوکے سے حرام کا ایک لقمہ چالیس دن کی عبادت کی حلاوت کو ختم کر دیتا ہے۔

ہمارے سلسلہ عالیہ کے بزرگ تھے حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ تھے خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک مرتبہ کہیں شادی بیاہ کے موقعہ پر خواجہ

غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی کھانا کھانا پڑا تو ایک دو لقمے لیے تو باطن میں انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہ کھانا ٹھیک نہیں، چھوڑ دیا۔ فرماتے ہیں کہ ان دو تین لقموں سے میری باطن کی ساری کیفیتیں سلب ہو گئی، میں حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے غلطی ہو گئی، قریبی لوگ تھے ان کی تالیف قلب کے لیے میں دعوت میں شریک ہو گیا، مجھے ایک دو لقمے کھانے سے پتہ چل گیا کہ کھانا مشکوک ہے، میں نے کھانا نہیں کھایا لیکن میری کیفیت وہ نہیں رہی۔ مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا ہمارے پاس آتے رہنا ہم آپ کو مراقبہ میں خاص توجہ دیں گے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں روزانہ حاضری دیتا حضرت روزانہ توجہ دیتے، ان لقموں کی ظلمت دور ہونے میں چالیس دن لگ گئے، چالیس دن توجہ لینی پڑی تب جا کر ظلمت ختم ہوئی۔ اب یہاں تو حرام کاموں کی اتنی ظلمت ہوتی ہے اور پھر ہم کسی اللہ والے کو اتنا وقت دیتے ہیں کہ ہم آج صبح آئے ہیں، شام تک ولی بن جائیں گے۔ تو اپنے پیٹ کو حرام سے بچانا چاہیے۔

○ اَلْیَدُ

اور ہاتھ میں خوف کی علامت:

فَلَا تَمُدُّ اِلَی الْحَرَامِ

”کسی کو دکھ نہ دینا، کسی کو پریشان نہ کرنا، کسی کی عزت پہ ہاتھ نہ ڈالنا۔“

○ اَلْقَدَمُ

قدم میں خوف کی علامت:

فَلَا یَمْشِیْ بِهَا اِلٰی مَعْصِیَةٍ وَ ذُنُوْبٍ

”ان کے ساتھ نافرمانی اور معصیت کی طرف نہیں چلتا“

ظالم کے ساتھ نہ چلنا، کیونکہ نبی پاک ﷺ نے حدیث پاک میں فرمایا کہ جو بندہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے اور اس کے ساتھ چلے فرمایا: فَلَيْسَ مِنَّا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تو یہ علامات ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ بندے کے دل میں اللہ کا خوف ہے یا نہیں۔

خائف کی کیفیات

اچھا کچھ کیفیات ہوتی ہیں، جن سے بندے کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے اندر کوئی خوف بیٹھا ہوا ہے۔

مغموم رہنا:

پہلی کیفیت کہ اَلْحُزْنُ اللَّازِمْ انسان مغموم رہتا ہے۔ کس کے بارے میں؟ گزشتہ گناہوں کے بارے میں۔

دو الفاظ ہیں، ایک ہے حزن اور ایک ہے ھم۔ یہ ھم عربی کا ہے اس کا معنی ہوتا ہے غم۔ حزن کا تعلق ماضی کے ساتھ ھم کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے۔ تو خوف زدہ انسان کے لیے حزن لازم ہے۔

غم غالب رہنا:

دوسرا یہ کہ اَلْهَمُّ الْغَالِب

غم غالب ہوتا ہے۔ کون سا غم ہوتا ہے؟ یہ کہ آخرت میں کیا ہوگا؟ تو گناہوں کی وجہ سے حزن اور قیامت کے دن کی پیشی کی وجہ سے اس کے اوپر ھم ہوتا ہے۔

⊙ بے چینی:

تیسری اَلْخَوْفُ الْمُقْلِقَةُ

بے چینی ہوتی ہے۔ کون سی بے چینی ہوتی ہے؟

﴿حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾

"زمین اپنی پوری فراخی کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے۔"

جیسے ہمارے بزرگ فرماتے تھے کہ جہنم کی آگ کے خوف نے ہماری نیندیں اڑا دیں۔

عطا اسلمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے، رات کو اٹھتے تھے، شیشہ دیکھتے تھے، بیوی نے پوچھا کہ رات کو شیشہ دیکھ رہے ہیں؟ فرمانے لگے کہ میں شیشہ دیکھتا ہوں کہ کہیں میری شکل کو مسخ نہیں کر دیا گیا۔ خوف ہوتا تھا۔

⊙ کثیر البکا:

چوتھی کَثْرَۃُ الْبُکَاءِ

انسان ہر وقت روتا رہتا ہے۔ جیسے بندے کا دل نرم ہوتا ہے تو پھر ایسے بندے کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ جب دل نرم ہوگا، آنسو گرم ہوگا، دل نرم نہیں ہوگا تو آنسو بھی گرم نہیں ہوگا، آنکھ سے آنسو ٹپکے گا بھی نہیں۔ تو محبت والے، اللہ سے تعلق جوڑنے والے پرغم ہوتے ہیں، آنکھیں پرنم ہوتی ہیں۔ دل پرغم ہوتے ہیں آنکھیں پرنم ہوتی ہیں۔ اللہ کا نام لے کر رو پڑتے ہیں۔ ع

ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے

کسی نے کیا ہی اچھا شعر کہا:

آیا ہی تھا خیال کہ آنکھیں چھلک پڑیں
آنسو تمہاری یاد کے کتنے قریب ہیں

تو جیسے ہی اللہ کی یاد آئی تو آنکھیں بہہ پڑیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علامات بتادیں۔

﴿اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ﴾

''وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں''

◉ گڑگڑانا:

اَلتَّضَرُّعُ فِی اللَّیْلِ وَ النَّھَارِ

پانچویں علامت، دن رات گڑگڑانا نمازوں میں، دعاؤں میں، آگے پیچھے۔ ناک رگڑنا، اللہ کے سامنے۔

◉ ترکِ راحت

ثُمَّ الْھُرُوْبُ مِنْ مَوَاطِنِ الرَّاحَۃِ

چھٹی علامت کہ راحت کے جو ٹھکانے ہوتے ہیں، مواقع ہوتے ہیں، ان سے ایک طرف رہتے ہیں۔''

مرغ دل را گلشن بہتر ز کوئے یار نیست
طالب دیدار را ذوقِ گل و گلزار نیست

''دل کے مرغ کو گلشن، یار کی گلی سے بہتر معلوم نہیں ہوتا، دیدار کے طالب کو پھول اور پھلواری کی طلب نہیں ہوتی''

◉ وَجِلُ الْقَلْبِ

اور آخری علامت ہے ''دل میں خوف کا بھر جانا''

چنانچہ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب احوال الصادقین میں لکھا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر اتنا خوف ہوتا تھا کہ جب دور سے چل کے آتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ وہ نوجوان ہے جو اپنے باپ کو قبر میں اتار کر اب واپس آرہا ہے۔ ابھی باپ کو دفن کر کے آرہا ہے، ایسے پر غم ہوتے تھے، بیٹھتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ یہ وہ مجرم ہے جس کو پھانسی کا حکم ہو چکا ہے۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اتنا روتی تھیں کہ ان کے رونے کے آنسو جہاں گرتے تھے وہاں گھاس اگ آیا کرتی تھی۔ کتاب میں لکھا ہے کہ بعد میں آنے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ شاید یہ وضو کا پانی ہے، اتنے آنسو گرتے تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد فرماتے ہیں کہ وہ چھوٹی عمر میں امام صاحب کے گھر میں کبھی کبھی رہ جاتے تھے کیونکہ میرے والد امام صاحب کے دوست تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں تہجد میں اٹھتا تھا تو امام صاحب کو قیام میں تلاوت کے دوران ایسے روتے ہوئے دیکھتا تھا کہ آنسوؤں کا گرنا یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے بارش کے قطرے گر رہے ہیں۔ امام صاحب اتنا کثرت سے روتے تھے۔

خوف کے مراتب

یہ خوف کیوں ہوتا ہے؟

○ خَوْفٌ مِنْ سُوْءِ الْخَاتِمَۃ

"برے خاتمے کا خوف۔"

ہمیں نہیں پتہ کہ انجام کیا ہوگا؟ اللہ کو معلوم ہے۔ تو دل کے اندر خوف کا ہونا۔ علما نے بلعم باعور کا واقعہ پڑھا ہوتا ہے کہ تین سو سال عبادت کی مگر انجام برا ہوا۔ تو وہ

ڈرتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟

○ خَوْفٌ مِّنْ مَكْرِ اللهِ تَعَالٰى

''اللہ کے مکر سے خوف، اللہ کی تدبیر سے خوف۔''

﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ﴾ (الاعراف:۹۹)

''کیا تم اللہ کی تدبیر سے امن میں ہو گئے''

وہ جانتے ہیں کہ عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟

○ خَوْفٌ مِنْ تَقْصِيْرِ الْفَرَائِضِ الْمَنْصَبِيَّةِ

''کہ جو فرائض ہیں ان سے کوتاہی کا خوف۔''

○ خَوْفٌ مِنْ رَدِّ الْاَعْمَالِ

''اعمال کے رد ہو جانے کا خوف۔''

اب اللہ کے حبیب ﷺ نے آکر فرما دیا:

((مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ))

''اللہ! میں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا''

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال عبادت بھری راتیں گزاریں، حرم کی زیارت کے لیے گئے اور وہاں طواف کیا اور مقام ابراہیم پہ دو رکعت نفل ادا کر کے کہا: ((مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ)) تو یہ خوف ہوتے ہیں جو بندے کو لاحق ہوتے ہیں جس کی وجہ سے دل پر غم ہوتا ہے۔

○ خَوْفٌ مِنْ عَذَابِ اللهِ

''اللہ کے عذاب کا خوف۔''

اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں تو دنیا میں بھی عذاب اور آخرت میں تو دردناک

عذاب بھگتنا پڑے گا۔

﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ (القلم: ۳۳)

''یہ ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے''

خوف کے ثمرات

لیکن جو خائف ہوتے ہیں، جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کو انعام بھی ملتے ہیں۔ کیسے؟

○ تمکین فی الارض:

جن کے دل میں خوف ہوگا، انہیں تمکین فی الارض نصیب ہوگی، کیسے؟ اللہ تعالیٰ اس کو زمین میں جما دیں گے۔ آیت مبارکہ دیکھیے:

﴿وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ وَخَافَ وَعِيْدِ﴾ (ابراہیم: ۱۴)

''اور اس کے بعد ہم تمہیں ضرور زمین پر آباد کریں گے، یہ اس شخص کے لیے ہے جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب سے خوف کھائے''

تو دیکھو خوف رکھنے والے بندے کے قدم اللہ زمین کے اندر جما دیتے ہیں۔

○ روزِ قیامت نجات:

اور قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ اس کو نجات عطا فرمائیں گے۔

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى﴾ (نازعات: ۴۰۔۴۱)

''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے آپ کو خواہشاتِ نفس سے بچایا پس بے شک اس کا ٹھکانہ جنت ہے''

○ عرش کا سایہ:

اور عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔

يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ

''اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دیں گے اس دن جب اور کوئی سایہ نہیں ہوگا''

○ سببِ مغفرت:

اور یہ خوف مغفرت کا سبب بنے گا۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ بنی اسرائیل کے بندے نے وصیت کی تھی کہ میں نے کوئی نیکی نہیں کی۔ مر جاؤں تو جلا دینا اور آدھی راکھ پانی میں بہا دینا، آدھی ہوا میں اڑا دینا۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا، پانی کو حکم دیا کہ اس کے ذرات کو اکٹھا کریں۔ راکھ آ گئی، حکم دیا کھڑے ہو جاؤ! کھڑا ہو گیا۔ میرے بندے! ایسے کیوں کیا تھا؟ اے اللہ! تو تو جانتا ہے کہ تیرے خوف کی وجہ سے کیا، ڈر تھا کہ میرے گناہوں پر تو مجھے بڑا عذاب دے گا۔ رب کریم نے فرمایا کہ اگر تو مجھے اتنا عظیم سمجھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ واقعی میں عذاب دینے پر قادر ہوں، چل میں نے تیرے تمام گناہوں کو معاف فرما دیا۔

○ رضائے الٰہی:

جن کے دل میں خشیت ہوتی ہے، ان کو اللہ کی رضا ملتی ہے۔ اس سے بڑا انعام کوئی نہیں۔

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴾ (البینۃ:۱۰)

''اللہ ان سے راضی وہ اس سے راضی، یہ بدلہ ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں''

اللہ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

اب چند مثالیں سن لیجیے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خوف

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آخرت کے بارے میں، کتنے فکرمند ہوتے تھے اور ڈرتے تھے اس کے بارے میں، سنیے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خوف:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید میں ثَانِيَ اثْنَيْنِ کا لفظ ان کی شان بیان کر رہا ہے۔ جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا))

''اگر میں نے اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنانا ہوتا تو ابوبکر کو اپنا دوست بناتا''

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((فَسُدُّوْا الْأَبْوَابَ إِلَّا أَبْوَابَ أَبِيْ بَكْرٍ))

''کہ مسجد نبوی میں جو دروازے کھلتے ہیں، سب بند کر دو! سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔''

نبی علیہ السلام نے جن کے بارے میں فرمایا:

((اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَ مَالِهٖ اَبُوْ بَكْرٍ))

میں نے سب کے احسانات کے بدلے چکا دیے، ابوبکر تیرے احسان کا بدلا قیامت کے دن اللہ دے گا۔

((اَرْاَفُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَكْرٍ))(کنزالعمال، رقم:۳۳۱۳۶)

((اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَكْرٍ))(ابن ماجہ، رقم:۱۵۱)

حدیث کے دونوں الفاظ ہیں۔ اتنی رحمت اور اتنی رفعت جن کے دل میں، جن کو صدیق کا لقب ملا، جن کو اللہ نے قرآن میں فرمادیا:

﴿ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ ''تجھ کو قیامت کے دن راضی کیا جائے گا''

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں کچھ لوگوں کے گھر ایسے ہوں گے

((اِنَّ اَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰی لَيَرَاهُمْ مَنْ تَحْتَهُمْ كَمَا تَرَوْنَ النَّجْمَ الطَّالِعَ فِیْ اُفُقِ السَّمَاءِ))

''جیسے تم آسمان کے اوپر ستاروں کو طلوع ہوتے دیکھتے ہو ایسے ہی جنتی ان کے گھروں کو دیکھیں گے۔''

((وَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ مِنْهُمْ وَ اَنَا مَعَهُمْ))

''اور بے شک ابوبکر اور عمر ان میں سے ہیں اور میں ان کے ساتھ ہوں''

یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، س دروازے سے فلاں کو بلایا جائے گا، اس سے فلاں کو، اس سے فلاں کو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سوال پوچھا:

فَهَلْ يُدْعٰى اَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا

''کوئی ایسا بندہ بھی ہوگا جو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟''

((قَالَ: نَعَمْ وَ اَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ))

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ہاں مجھے امید ہے کہ تو ان میں سے ہوگا کہ سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔

تو اتنی فضیلت والے صحابی اوران کا یہ حال تھا کہ تہجد کے وقت اللہ کے سامنے روتے تھےاوراہل جنت کا جب تذکرہ ہوتا تھا فرمایا کرتے تھے:

كَانَ اِذَا ذُكِرَ اَهْلُ الْجَنَّةِ قَالَ اِنِّيْ لَاَخَافُ اَنْ لَّا اُلْحَقَ بِهِمْ

''مجھے خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں ان سے جدا کردیا جاؤں۔''

اب بتایئے! اتنا ڈر تھا ان کے دل میں، فرماتے تھے:

يَا لَيْتَنِيْ شَجَرَةٌ تُعْضَدُ ثُمَّ تُؤْكَلُ

''کاش کہ میں ایک درخت ہوتا۔''

طُوْبٰى لَكَ يَا طَيْرُ تَاْكُلُ مِنَ الثَّمَرِ وَ تَسْتَظِلُّ بِالشَّجَرِ وَ تَصِيْرُ اِلٰى غَيْرِ حِسَابٍ يَالَيْتَ اَبَابَكْرٍ مِثْلُكَ

''اے پرندے تجھے مبارک ہو پھل کھاتا ہے سائے میں بیٹھتا ہےاور تیرا کوئی حساب نہ ہوگا''

کاش کہ ابوبکر تیری مانند ہوتا۔

ایسا کیوں فرماتے تھے؟ غم تھا، اس لیے کہ خوف ہوتا تھا کہیں ایمان والی نعمت نہ چھن جائے، خفیہ تدبیر نہ ہوجائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے ایمان لانے سے اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

وَكَانَ إِسْلَامُ عُمَرَ فَتْحًا وَهِجْرَتُهُ نَصْرًا

''عمر کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی اور ان کا ہجرت کرنا اسلام کی نصرت تھی''

جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ))

''میرے بعد اگر نبی آنا ہوتا تو عمر نبی ہوتا''

((اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ))

''حق عمر کی زبان سے بولتا ہے''

جس راستے سے عمر گزرتا ہے شیطان اس راستے کو چھوڑ جاتا ہے۔

كَانَ رَأْيُهُ مُوَافِقًا الْوَحْيِ وَالْكِتَابِ

''کتنی مرتبہ ان کی رائے اللہ کے کلام کے بالکل مطابق نکلی۔''

عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''دو میرے وزیر دنیا میں اور دو آخرت میں ہیں۔ اور دنیا میں دو وزیر ابو بکر اور عمر ہیں۔''

جن کی اتنی شان تھی، وہ خوف زدہ رہتے تھے اپنی آخرت کے بارے میں، فرماتے تھے۔

وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِيْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ

''اللہ کی قسم اگر پوری زمین کے بقدر سونا میرے پاس ہوتا، میں اتنا فدیہ دے دیتا اس سے پہلے کہ میں اللہ سے ملاقات کروں۔''

وَيْلِيْ وَيْلٌ لِّاُمِّيْ لَمْ يَرْحَمْنِيْ رَبِّيْ

''میری بربادی اور بربادی میری ماں کی اگر اللہ نے میرے اوپر رحم نہ کیا۔''

يَا لَيْتَنِيْ مِثْلُ هٰذِهِ التِّبْنَه

''کاش میں ایسا ایک تنکا ہوتا۔''

لَيْتَ اُمِّيْ لَمْ تَلِدْنِيْ

''کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا''

لَيْتَنِيْ لَمْ اَكُنْ شَيْئًا

''میں کوئی چیز بھی نہ ہوتا۔''

لَيْتَنِيْ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

''کاش کہ میں کوئی بھولی بسری چیز ہوتا''

عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اتنا خوف رہتا تھا کہ رخسار کے اوپر دو لائنیں بن گئی تھیں۔ ان کے آنسوؤں کے کثرت سے گرنے کی وجہ سے رخسار سے آنسوؤں کی لکیریں نظر آتی تھی۔ خوف کی یہ حالت تھی اور خوف خدا کا یہ حال تھا، اللہ اکبر...... اپنے زمانہ خلافت میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، کہا: حذیفہ! مجھے پتہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو منافقین کے نام بتائے اور یہ بھی پتہ ہے کہ آگے بتانے سے منع فرما دیا تھا۔ حذیفہ! میں منافقین کے نام کی تفصیل تو نہیں پوچھتا، صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ یہ بتا دیں کہ کہیں عمر رضی اللہ عنہ کا نام تو ان میں شامل نہیں۔

جب ان پر حملہ ہوا اور مہلک زخم آئے تو بیٹے کو بلایا۔ بیٹے! جو زخم مجھے لگا، لگتا ہے کہ اب میری موت ہو جائے گی، مجھے جلدی کفنا دینا اور جلدی تم دفن کر دینا۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جی جلدی کریں گے۔ پھر دوبارہ بلا کر کہا، اچھا جی جلدی کریں

گے۔ پھر کہا۔ جب دو تین مرتبہ کہا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابا جان آپ اتنا بار بار کیوں اصرار کر رہے ہیں کہ ہم جلدی کریں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹے! میں جلدی کرنے کے لیے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر اللہ مجھ سے راضی ہوئے تو مجھے جلدی اللہ سے ملا دینا اور اگر مجھ سے ناراض ہوئے تو میرا بوجھ جلدی اپنے کندھوں سے اتار دینا اور عمر کے معاملے کو تو اللہ بہتر جانتا ہے، قیامت کے دن کیا ہوگا؟

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خوف:

عثمان غنی رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تشریف لانے پر اپنی چادر کو ٹھیک کر لیا، پنڈلی کو بھی ڈھانپ لیا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی لوگ آئے آپ نے احتیاط نہیں رکھی، اب ڈھانپ لی۔ فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ اَلَا اَسْتَحْيِ مِنْ رَجُلٍ وَاللّٰهِ اَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَسْتَحْيِ مِنْهُ))

''اے عائشہ! میں اس بندے سے حیا کرتا ہوں کہ اللہ کی قسم فرشتے بھی جس سے حیا کرتے ہیں۔''

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانُ))

''ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے، میرے رفیق جنت میں عثمان رضی اللہ عنہ ہوں گے۔''

نبی علیہ السلام کو ایک مرتبہ کئی سو اونٹ انہوں نے سامان سے بھرے ہوئے دیے۔ اللہ کے حبیب علیہ السلام کا دل اتنا خوش ہوا کہ حدیث پاک میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا عَمِلَ عُثْمَانُ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ))

''جیسا عثمان نے عمل کیا اس کے بعد ایسا کسی نے نہ کیا''

ایک صحابی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں خود سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت دعا فرما رہے تھے۔

((اَللّٰھُمَّ عُثْمَانُ رَضِیْتُ عَنْہُ فَارْضِ عَنْہُ))

''اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔''

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں یہ دعا فرما رہے ہیں۔

بیعت رضوان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میرا ہاتھ اور یہ میرے عثمان کا ہاتھ ہے۔ اپنے ہاتھ کو ان کی جگہ پر رکھا۔

وہ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اتنا اللہ سے ڈرتے تھے، فرماتے تھے:

لَوْ وَقَفْتُ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَخُیِّرْتُ بَیْنَ اَنْ اَصِیْرَ رَمَادًا اَوْ اُخَیَّرَ اِلٰی اَیِّ دَارٍ فِیْہِ

''اگر میں جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا ہوں اور مجھے اختیار دیا جائے کہ مجھے مٹی بنا دیا جائے یا اختیار دیا جائے کہ حساب لے کر ادھر بھیجیں گے یا اُدھر''

لَاخْتَرْتُ اَنْ اَکُوْنَ رَمَادًا

''میں تو پسند کروں گا کہ مجھے مٹی ہی بنا دیا جائے۔''

حساب کے لیے پیش ہونے سے ڈرتے تھے کہ میں اس قابل نہیں۔ یاد رکھنا یہ معاملہ علام الغیوب کے ساتھ ہے، جب ہمارے دلوں میں گناہ کا خیال پیدا ہوا اللہ اس وقت بھی جانتے تھے، جب ہم نے گناہ کے لیے قدم اٹھایا، اللہ اس وقت بھی جانتے تھے۔ پھر جب ہم گناہ کر رہے تھے اللہ اس وقت بھی دیکھ رہے تھے۔ اس پروردگار کے سامنے حساب کے لیے پیش ہوں گے ہمارا کیا بنے گا؟

یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ

ہم گناہ کر کے بھول جاتے ہیں نامہ اعمال میں تو گناہ لکھے ہوتے ہیں۔ جب تک کہ توبہ نہ کی جائے۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا خوف:

ابودرداء رضی اللہ عنہ دمشق کے قاضی ہیں، ان کے بارے میں فرمایا:

حَكِيْمُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ "اس امت کے حکیم ہیں۔"

سَيِّدُ الْقُرَّاءِ بِدَمِشْقِ دمشق کے قراء کے سردار تھے۔

سلمان بھائی تھے، انہوں نے نصیحت کی کہ آپ تو بہت ہی روزے رکھتے ہیں، کمزور ہو رہے ہیں، کوئی بدن کا خیال رکھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی۔

((يَا اَبَا دَرْدَاءِ اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا مِثْلَ مَا قَالَ لَكَ سَلْمَانُ))

"اے ابودردا! سلمان صحیح کہتے ہیں آپ کے جسم کا آپ کے اوپر حق ہے"

وہ ابودردا فرماتے ہیں:

لَاَنْ اَسْتَيْقِنَ اَنَّ اللّٰهَ لَقَدْ تَقَبَّلَ لِيْ صَلَاةٍ وَّاحِدَةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

"ایک نماز کی قبولیت کا مجھے پتہ چل جائے تو وہ میرے لیے دنیا جہان سے بہتر ہے۔"

آخری عمر میں بینائی ختم ہو گئی تھی تو کسی نے کہا کہ آپ آنکھوں کی بصارت کے لیے دعا ہی کر دیتے۔ جب اس نے کہا کہ آنکھوں کی بصارت کے لیے دعا کر دیتے تو جواب میں فرمایا:

مَافَرَغْتُ بَعْدُ مِنْ دُعَائِيْ لِذُنُوْبِيْ فَكَيْفَ اَدْعُ لِعَيْنِيْ

"کہ میں اپنے گناہوں کی معافی کی دعا سے ابھی فارغ نہیں ہوا، میں اپنی

بینائی کی دعا کیسے کروں؟“

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا خوف:

كَانَ خَامِسَ خَمْسَةٍ فِي الْإِسْلَامِ

”پانچویں نمبر پر مسلمان ہوئے تھے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُحِبَّ أَرْبَعًا وَ أَخْبَرَنِي اللهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ»

”اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ چار بندوں سے محبت کرو اور اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔“

ان چار میں ایک ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب بتایئے کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتے ہیں،

وہ فرمایا کرتے تھے:

وَدِدْتُ أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَنِي يَوْمَ خَلَقَنِي شَجَرَةً تُعْضَدُ

”تمنا کرتا ہوں کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا تھا کاش وہ مجھے درخت کی شکل میں پیدا فرما دیتے۔“

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا خوف:

أَحَدُ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ

”سابقون الاولون میں سے ایک تھے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْنًا وَ اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ ابْنِ الْجَرَّاحِ))

’’ہرامت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین عبیدہ بن جراح ہے‘‘

ایک اور عجیب بات، حدیث پڑھتے ہیں، دل خوش ہو گیا۔ سبحان اللہ!

نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا لَوْ شِئْتُ لَاَخَذْتُ عَلَیْهِ بَعْضَ خُلُقِهٖ اِلَّا اَبَا عُبَیْدَۃَ))

’’تم میں سے ابو عبیدہ ہی ایک ایسا بندہ ہے کہ اگر میں اخلاق کسی سے لیتا تو ابو عبیدہ سے لے لیتا۔‘‘

سنیے کیا کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں:

وَدِدْتُ اَنِّیْ کُنْتُ قَبْشًا وَ یَذْبَحُنِیْ اَهْلِیْ وَ یَاکُلُوْنَ لَحْمِیْ وَ یُحْسُوْنَ مَرَقِیْ

’’کاش کہ میں کوئی جانور ہوتا گھر والے مجھے ذبح کر لیتے، اور میرا گوشت کھا لیتے۔‘‘

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خوف:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سید المحدثین، سید الحفاظ، امام المجتہدین، فقیہ، موت کے وقت رونے لگ گئے۔ کسی نے کہا کہ آپ تو نبی علیہ السلام کے صحابی ہیں اور اتنی کثرت سے روایت کی ہیں، آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمانے لگے:

اَصْبَحْتُ فِیْ صَعُوْدٍ فَهُبَطَۃٍ عَلٰی جَنَّۃٍ وَ نَارٍ فَلَا اَدْرِیْ اِلٰی اَیِّهِمَا یُسْلَكُ بِیْ

''ایک گھاٹی کی طرف میں چڑھا ہوں، نیچے اتروں گا، یا جنت ہوگی یا جہنم۔ تو مجھے نہیں پتہ کہ میں کس طرف پہنچوں گا۔''

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا خوف:

حذیفہ رضی اللہ عنہ صاحب السر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو راز کی باتیں بتائیں۔ منجملہ میں سے تھے۔ موت کے وقت روئے، تو ساتھیوں نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہیں؟ تو فرمایا:

کہ میں دنیا کے دور ہونے سے نہیں رو رہا بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ

لَا اَدْرِیْ عَلٰی مَا اَقْدَمُ عَلَی الرِّضَا اَوْ عَلٰی سَخَطٍ

''مجھے نہیں پتہ کہ میں کہاں پہنچوں گا اللہ کی رضا ملے گی یا اللہ کی ناراضگی''

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا خوف:

((سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ)) ''جنت کے نوجوانوں کے سردار۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا))

''اللہ میں ان دونوں (پھولوں سے شہزادوں) سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان سے محبت فرمالیجیے۔''

اپنی وفات کے وقت فرماتے ہیں:

اِنِّیْ اَقْدَمُ عَلٰی اَمْرٍ عَظِیْمٍ وَ ھَوْلٍ لَمْ اَقْدَمْ عَلٰی مِثْلِہٖ قَطُّ

''میں ایک ایسے بڑے امر میں پیش ہونے والا ہوں کہ اس جیسا اب تک پیش نہیں آیا''

قیامت کے دن کا کتنا خوف ان کے دل میں ہوگا؟

سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا خوف:

حدیث شریف میں ان کے بارے میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مِثْلَكَ))

''اللہ کی تعریف ہے کہ جس نے تیرے جیسے بندے میری امت میں بنائے ہیں''

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، ان کے بارے میں۔ اور اس سے بھی ایک عجیب بات ہے، سبحان اللہ! عجیب بات ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ سَالِمًا شَدِیْدُ الْحُبِّ فِیْ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ))

''سالم کے دل میں اللہ کی شدید محبت ہے۔''

یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرما رہے ہیں۔

تو وہ سالم فرماتے ہیں:

وَدِدْتُ اَنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَصْحَابِ الْاَعْرَابِ

''میں تمنا کرتا ہوں کہ میں اصحاب اعراب کی طرح ہوتا''

نہ جنت میں جاتا نہ جہنم میں بھیجا جاتا۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا خوف:

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بڑے عقل مند تھے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَنَا سَابِقُ وُلْدِ آدَمَ وَ سَلْمَانُ سَابِقُ الْفُرْسِ))

''میں اولاد آدم میں سب سے پہلے اور یہ فارس والوں میں سے ایمان لانے والوں میں سے سب سے پہلے۔''

جس کو نبی علیہ السلام نے یہ شان اور عزت بخشی کہ فرمایا کرتے تھے:

((سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ)) ''سلمان میرے اہل بیت میں سے ہے۔''

یہ فرمایا کرتے تھے:

ثَلٰثٌ اَحْزَنَنِیْ حَتّٰی اَبْكَانِیْ

''تین چیزوں نے مجھے غم زدہ کر دیا، حتیٰ کہ مجھے تین چیزوں نے رُلا دیا''

فِرَاقُ مُحَمَّدٍ وَّ حِزْبِهٖ

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فراق اور ان کے صحابہ کا''

وَهَوْلُ الْمُطَّلَعِ

''اور ایک خوف جو آنے والا ہے''

وَ الْوُقُوْفُ بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ عَزَّ وَ جَلَّ وَ لَا اَدْرِیْ اِلَی الْجَنَّةِ اَوْ اِلَی النَّارِ

''اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے نے کہ معلوم نہیں جنت میں جاؤں یا جہنم میں''

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خوف:

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں محدثین نے لکھا:

اَفْقَهُ نِسَاءِ الْاُمَّةِ ''امت کی تمام عورتوں میں سے سب سے بڑی فقیہہ''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((یَا عَائِشُ هٰذَا جِبْرِیْلُ یُقْرِئُكِ السَّلَامَ))

'' اے عائشہ! یہ جبرئیل آئے ہیں یہ تمہیں سلام دے رہے ہیں''

اے عائش! عربوں میں نام کو کچھ کم پڑھنے کا رواج ہے، اس کو منادیٰ ترخیم کہتے ہیں۔ تو فرشتوں کے سلام آتے تھے۔ ان کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ))

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ام سلمیٰ کو

((وَاللّٰهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَاَنَا فِي لِحَافِ امْرَاَةٍ مِّنْكُنَّ غَيْرَهَا))

جن کی اتنی شان تھی، وہ کہا کرتی تھیں:

فَوَاللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنِّي كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

''اللہ کی قسم میں یہ پسند کرتی ہوں کہ میں نسیاً منسیا ہو جاتی''

درخت کو دیکھا کہنے لگیں کہ

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ وَرَقَةً مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ

'' کاش میں اس درخت کا کوئی پتہ ہوتی''

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا خوف:

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

((رَحِمَ اللّٰهُ ابْنَ رَوَاحَه)) ''اللہ رحم فرمائے ابن رواحہ پر''

یہ فرمایا کرتے تھے:

اَنِّي قَدْ عَلِمْتُ اَنِّي وَارِدُ النَّارِ وَمَا اَدْرِي اَنَاجٍ مِّنْهَا اَمْ لَا

''مجھے نہیں پتہ کہ میں اس آگ سے نجات پاؤں گا کہ نہیں پاؤں گا۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا خوف:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سید المحدثین، جن کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ)) ''عبداللہ کتنا اچھا بندہ ہے''

ایک حدیث میں فرمایا:

«اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ» "بے شک عبداللہ نیک آدمی ہے"

وہ فرماتے ہیں:

لَوْ عَلِمْتُ اَنَّ اللّٰهَ تَقَبَّلَ مِنِّیْ سَجْدَةً وَّاحِدَةً اَوْ صَدَقَةَ دِرْهَمٍ لَمْ يَكُنْ غَائِبٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَوْتِ

"اگر مجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ ایک درہم قبول ہو گیا یا ایک سجدہ تو مجھے موت سے زیادہ پسندیدہ چیز کوئی نہ ہو"

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خوف:

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، خود بھی صحابی والد بھی صحابی ہیں، آج تو کہتے ہیں تاجی ولی ابن ولی، یہ صحابی ابن صحابی، ایسا گھرانہ تھا کہ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

«نِعْمَ اَهْلُ الْبَيْتِ عَبْدُ اللّٰهِ وَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ اُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ»

"کہ ایسا اچھا گھرانہ ہے ان کے ابو اور پھر ان کی امی کا۔

کیا گھرانہ ہوگا کہ اللہ رب العزت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو رہی ہے۔"

وہ فرماتے تھے:

وَاللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ هٰذِهٖ

"تمنی کرتا ہوں کہ کاش میں ایک ستون ہوتا"

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا خوف:

اِمَامُ الْفُقَهَاءِ فَقِيْهُ الْاُمَّةِ وَ كَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَ هَاجَرَ هِجْرَتَيْنِ

''امام الفقہا، امت کے فقیہہ، بدر کے دن بھی حاضر تھے اور دو ہجرتیں کی تھیں''
جن کے بارے میں نبی ﷺ نے صحابہ کو فرمایا کہ تم ان کی پنڈلیوں کو دیکھ کر ہنسو۔

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَهُمَا اَثْقَلُ فِی الْمِیْزَانِ مِنْ اُحُدٍ))

''اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں جان ہے وہ میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں''

وفات کے قریب جو شرکائے مجلس تھے ان کو فرمایا:

لٰکِنْ هٰهُنَا رَجُلٌ وَدَّ اَنَّهٗ اِذَا مَاتَ لَمْ یُبْعَثْ

''یہ بندہ تمنا کرتا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میں دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں''

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کا خوف:

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شریک تھے۔ وہ فرماتے تھے:

وَدِدْتُ اَنِّیْ كُنْتُ كَبْشًا لِاَهْلِیْ فَذَبَحُوْنِیْ فَشَوَوْنِیْ وَ اَكَلُوْا لَحْمِیْ

''کاش میں ایک مینڈھا ہوتا گھر والوں کے لیے وہ مجھے ذبح کرتے بھونتے پھر کھا لیتے''

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کا خوف:

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیعت رضوان کرنے والے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

”تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہیں مؤمنین سے جب انہوں نے بیعت کی آپ سے درخت کے نیچے“

وہ فرماتے ہیں:

لِأَنْ أَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ تَقَبَّلَ مِنِّيْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

”اللہ تعالیٰ مجھ سے ذرہ برابر نیکی قبول کرلیں یہ مجھے دنیا مافیھا سے زیادہ پسند ہے“

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خوف:

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، (شَهِدَ الْعَقَبَةَ) یہ بیعت عقبہ میں شامل تھے، شَابًّا نوجوان تھے، أَمْرَدَ داڑھی نہیں آئی تھی، امرد تھے، ان کو اللہ رب العزت نے اسلام کا نمائندہ اور سفیر بنا کے بھیجا تھا۔ ان کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((يَجِيءُ مُعَاذٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِمَامَ الْعُلَمَاءِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ))

قیامت کے دن معاذ کو علما کے سامنے امام العلما بنا کر پیش کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں فرمایا:

((يُبْعَثُ لَهُ رَتْوَةٌ فَوْقَ الْعُلَمَاءِ))

”قیامت کے دن علما کے سامنے بلند مقام پر معاذ کو پیش کیا جائے گا“

نبی ﷺ نے ان کو یمن بھیجتے ہوئے پوچھا: کیا کرو گے؟ انہوں کہ نبی علیہ السلام میں قرآن سے حکم دوں گا، نہ پایا تو آپ کی سنت سے، نہ ملا تو میں اجتہاد کروں گا۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِمَا يَرْضٰى رَسُوْلُ

اللّٰہ))

نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

((اَعْلَمُ بِالْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ))

''پوری امت میں حرام اور حلال کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے''۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی ﷺ جب ان کو رخصت فرما رہے تھے تو مدینہ کے باہر نکل گئے، یہ ایک سواری پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ اس سواری کی لگام پکڑ کر چل رہے ہیں اور پھر آخیر میں نبی علیہ السلام نے عجیب الفاظ کہے: فرمایا:

((اَ یَا مُعَاذُ اِنَّكَ عَسٰی اَنْ لَا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا))

ہو سکتا ہے کہ اس سال کے بعد تو لوٹ کے آئے تو پھر تیری میری ملاقات نہ ہو۔

((وَ لَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ وَ قَبْرِیْ))

''لگتا ہے کہ تو آئے گا، میری مسجد کو دیکھے گا، میری قبر کو دیکھے گا''

اللہ کے نبی ﷺ رخصت فرماتے وقت یہ گفتگو فرما رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے جب ان کو روتا ہوا دیکھا تو فرمایا:

((یَا مُعَاذُ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ فِی اللّٰهِ))

''اے معاذ! میں تیرے ساتھ اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں''

یہ اللہ کے محبوب ﷺ کا فرمان ہے۔

وہ فرمایا کرتے تھے:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَسْكُنُ رَوْعُهُ حَتّٰی یَتْرُكَ جِسْرَ جَهَنَّمَ وَرَاءَهُ

"کہ اس وقت تک مومن کا خوف ختم نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ جہنم کے پل سے گزر نہیں جاتا"

﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ۝ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوا﴾

تابعین کا خوف:

یہ تو صحابہ کی جماعت کے بعض حضرات کا حال تھا اور پھر یہی تابعین کا حال تھا۔

◎ چنانچہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اِنَّهَا تَلَجْلَجَ فِيْ حَلْقِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

"کہ میں چاہتا ہوں کہ میری روح میری حلق میں اٹک جائے تاکہ قیامت تک مجھے عذاب نہ ہو"

◎ الاسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

وَ اللّٰهِ لَوْ اُتِيْتُ بِالْمَغْفِرَةِ مِنَ اللّٰهِ لَاَهَمَّنِي الْحَيَاءُ مِنْهُ مِمَّا قَدْ صَنَعْتُ

"اللہ کی قسم اگر اللہ نے مجھے قیامت کے دن بخش بھی دیا تو مجھے اللہ سے حیا آئے گی کہ میں نے دنیا میں کیا کیا کام کر لیے تھے"

◎ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی تکبیر اولیٰ ستر سال تک قضا نہیں ہوئی۔ وہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ مَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ الْبُكَاءِ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِنَفْسِيْ

"میں اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتا، جانتا ہوں کہ میں نے کیا کرتوت کیے؟"

⊙ حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ، (ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے جن کو پالا)۔ ان کی والدہ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں کسی کام سے گئی ہوتیں، بچہ روتا تو اس زمانے میں پلاسٹک کے فیڈر والی بوتل تو تھی نہیں تو ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا وہ بچے کو اٹھا کے اپنے سینے سے لگاتیں اور اپنا دودھ پلاتیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ ان کو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ عمر رضی اللہ عنہ پیار کریں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو پیار کیا اور ان کو دعا دی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَحَبِّبْهُ إِلَى النَّاسِ

"اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو لوگوں کا محبوب بنا"

آج دیکھو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے کیا محبتیں عطا فرمائیں۔

وہ فرماتے تھے:

وَدِدْتُ اِنِّي اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ قَبِلَ لِيْ سَجْدَةً وَّاحِدَةً

"میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا کوئی سجدہ قبول کر لیا ہے"

⊙ زیاد مولیٰ ابن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنَّهُ حَمَانِيْ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ وَلَا اُعَذَّبُ بِالنَّارِ

"اللہ کی قسم میں بس یہ چاہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے آخرت کے عذاب سے بچا لیا ہے اور مجھے آگ کا عذاب نہ ہوگا"

⊙ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يَوَدُّ اَنْ لَّا يَكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَتَعَرَّضُ لِلْحِسَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"میں کوئی چیز نہ ہوتا اور مجھ سے کوئی حساب نہ ہوتا"

⊙ اور علی بن حسین، امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب بات کہی، فرماتے ہیں:

إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَمْ يَبْقَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ إِلَّا كَانَ لِلّٰهِ فِيْهِ مَشِيْئَتًا

''جب قیامت کا دن ہوگا، کوئی نبی مرسل یا ملائکہ مقرب بھی ایسا نہیں ہوگا کہ اس میں اللہ کی مشیت ہوگی۔''

إِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ

''اللہ چاہے گا مغفرت کر دے گا اور اللہ چاہے گا عذاب دے گا۔''

یہ کن کی بات ہو رہی ہے، ملائکہ مقربین اور انبیاء کے بارے میں، اس لیے اس دن انبیا بھی نفسی نفسی کہتے ہوں گے اور روتے ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کا خوف:

بات کو مکمل کریں کہ مقربین کے خشوع کا حال دیکھیں اور ان کی خشیت اور ان کے خوف کا حال دیکھیے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں۔

وَإِنَّ إِبْرَاهِيْمَ كَثِيْرُ الْبُكَا

''اور بے شک ابراہیم علیہ السلام کثرت سے روتے تھے۔''

اَتَاهُ الْجِبْرِيْلُ وَقَالَ لَهُ الْجَبَّارُ يُقْرِئُكَ السَّلَامُ وَيَقُوْلُ هَلْ رَأَيْتَ خَلِيْلًا يَخَافُ خَلِيْلًا

''ان کے پاس جبرئیل آئے اور جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جبار نے آپ کو سلام کہے ہیں۔ اور پوچھا ہے کہ کیا تو نے کسی خلیل کو دیکھا ہے کہ وہ کسی خلیل سے ڈرتا ہو، خوف کھاتا ہو''

کیونکہ ابراہیم علیہ السلام روتے بہت تھے نا تو اللہ رب العزت نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیج کر پوچھا کہ کوئی خلیل دیکھا ہے جو خلیل سے ڈرتا ہو، خوف کھاتا ہو۔ تو ابراہیم علیہ السلام

نے یہ جواب دیا۔

فَقَالَ یَا جِبْرِیْلَ اِذَا ذَکَرْتُ خَطِیْئَتِیْ نَسِیْتُ خِلَّتِیْ

''کہ جب میں اپنی خطاؤں کو یاد کرتا ہوں تو میں بھول جاتا ہوں کہ میں اللہ کا خلیل ہوں''

مقرب فرشتوں کا خوف:

طہارۃ القلوب میں لکھا ہے کہ

وَلَمَّا مَکَرَ بِاِبْلِیْسَ لَعَنَہُ اللّٰہُ طَفِقَ جِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یَبْکِیَانِ

''کہ جب اللہ رب العزت نے ابلیس کو اپنے دربار سے دھتکار دیا تو اس بات کو دیکھ کر جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام رونے لگ گئے''

اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِمَا مَا لَکُمَا تَبْکِیَانِ کُلَّ ھٰذَا الْبُکَاءِ

''اللہ نے ان سے پوچھا کہ آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں؟''

انہوں نے کہا:

یَا رَبِّ مَا نَاْمَنُ مَکْرَکَ

''ہم آپ کی تدبیر سے امن میں نہیں''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ھٰکَذَا کُوْنَا لَا تَاْمَنَا مَکْرِیْ

ایسے ہی ہونا چاہیے کہ تمہیں میری خفیہ تدبیر سے مطمئن نہیں رہنا چاہیے، میں جو چاہوں کرسکتا ہوں۔

فرشتے ڈرتے ہیں پروردگار کی تدبیر سے اور ہم گناہ کر کے بھی نہیں ڈرتے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خوف:

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، پکے بندے ہیں، پکی بات کرنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے یہ بات نقل کر رہا ہوں۔

((رُوِیَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ خَوَّفَنِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ الْاَھْوَالِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَتّٰی اَبْکَانِیْ))

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے آخرت کے احوال سے اتنا ڈرایا کہ میں رونے لگ گیا۔''

قیامت میں اتنا ہول ہوگا، اتنا خوف ہوگا کہ میں رونے لگ گیا۔

((فَقُلْتُ لَہٗ حَبِیْبِیْ اَلَیْسَ قَدْ غَفَرَلِیْ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِیْ وَ مَا تَاَخَّرَ))

''میں نے کہا کہ اے میرے حبیب جبرئیل! کیا اللہ نے میرے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف نہیں فرما دیا''

جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

((فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ لَتُشَاھِدَنَّ مِنَ الْاَھْوَالِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَا یُنْسِیْکَ الْمَغْفِرَۃَ))

''قیامت کے دن آپ ایسے حالات کو دیکھیں گے کہ آپ اپنی مغفرت کو بھول جائیں گے''

((وَ بَکٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی بَلَّتْ دُمُوْعُہٗ لِحْیَتَہٗ))

''اللہ کے حبیب ﷺ اتنا روئے کہ ریش مبارک سے آنسو نیچے آ گئے''

جبرئیل علیہ السلام کا خوف:

چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور بیت اللہ کے قریب دعا مانگتے ہیں اور خوف سے جبرئیل علیہ السلام کا بدن کانپ رہا تھا۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ جبرئیل! کیا مانگا؟ انہوں کہا میں نے یہ دعا مانگی:

اِلٰهِي وَ سَيِّدِي لَا تُغَيِّرْ اِسْمِيْ وَ لَا تُبَدِّلْ جِسْمِي

کیا مطلب کہ میں نے شیطان کو اللہ کے دربار سے اپنی آنکھوں سے مردود ہوتے دیکھا، میں اس وقت سے دعا مانگتا ہوں: اللہ! آپ نے عزازیل نام تھا ابلیس بنا دیا، نام بدل دیا، آپ نے فرشتوں کی جماعت کو عبادت گزاروں سے نکال دیا۔ ((الٰهي لاتغير اسمي)) میرا نام نہ بدلنا ((فلا تبدل جسمي)) میرا جسم عبادت گزاروں کی جماعت سے خارج نہ کر دینا۔

رونا ضروری ہے:

جو اللہ رب العزت کی عظمتوں کو جانتے ہیں ان کے دل میں اتنی ہیبت ہوتی ہے کہ مالک الملک کے سامنے قیامت کے دن حاضری دینی ہے۔ لہٰذا وہ اس ڈر سے روتے اور گڑگڑاتے ہیں:

بَكَيْتُ عَلَى الذُّنُوْبِ لِعَظْمِ جُرْمِيْ
وَ حَقَّ لِكُلِّ مَنْ يَّعْصِيْ الْبُكَاءُ
فَلَوْ كَانَ الْبُكَاءُ يَرُدُّ هَمِّيْ
لَاَسْعَدَتِ الدُّمُوْعُ مَعًا دِمَاءُ

کسی نے کیا اچھے اشعار کہے:

جیہڑا لطف ہے رون اندر اوہ وچ بیان نہ آوے
رونا دل دی میل اتارے تا لے وچھڑے یار ملاوے
تے یادِ خدا وچ رون والا
کدی دوزخ وچ نہ جاوے

عاشق دا کم رونا دھونا تے ہنسنا رون نہیں منظوری
دل رووے چاہے اکھیاں رون وچ عشق دے رون ضروری
کوئی تے روندے دید دی خاطر کوئی روندے وچ حضوری
تے اعظم عشق وچ رونا پیندا بھانویں وصل ہووے بھانویں دوری

وصل ہو یا دوری رونا تو پڑتا ہی ہے، آج اپنے گناہوں پر جی بھر کے رولیں تاکہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ عمل تو ایک بھی زندگی نہیں جو اللہ کے حضور پیش کرنے کے قابل ہو، بس اتنی بات کرتے ہیں کہ اللہ بچپن میں ماں باپ انگلی پکڑ کے مسجد میں لے جایا کرتے تھے، اس عمر میں کلمہ پڑھا تھا، بال سفید کر بیٹھے، اللہ ان بالوں کی لاج رکھ لیجیے۔ اے میرے مالک! تیرے دربار میں صحابہ، تابعین، بڑے بڑے حضرات! آپ کے سامنے خوف کھاتے تھے۔ میرے مولیٰ! ہم کس حیثیت کے مجرم ہیں؟ ہماری اوقات ہی کیا ہے؟ ہمیں تو اپنے نامۂ اعمال میں گناہوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اے میرے مولیٰ! ہم ناپ تول کے قابل نہیں ہیں۔ قیامت کے دن کے حساب سے بچا لیجیے گا، رحمت فرما دیجیے گا۔

إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا شَابَتْ عَبِيْدُهُمْ
فِيْ رِقِّهِمْ أَعْتَقُوْهُمْ عِتْقَ أَحْرَارِ
وَ أَنْتَ يَا سَيِّدِيْ أَوْلٰى بِذَا كَرَمًا
قَدْ شِبْتُ فِي الرِّقِّ فَأَعْتِقْنِيْ مِنَ النَّارِ

یا اللہ! ہم نے دیکھا ہے بادشاہوں کو جب ان کے غلام خدمت کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو میرے مولیٰ! وہ ان بوڑھوں کو آزاد کر دیتے ہیں۔ میرے مولیٰ! ہم کلمہ پڑھتے پڑھتے بوڑھے ہو رہے ہیں، میرے اللہ! ہمیں جہنم کی آگ سے آزاد کر دیجیے! اللہ جہنم کی آگ سے آزاد فرما دیجیے! میرے مولیٰ! آئندہ ہمیں نیکوکاری پر ہیزگاری کی زندگی عطا فرما دیجیے۔

مناجات

میں تیرے سامنے جھک رہا ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میں گناہگار ہوں میں سیاہ کار ہوں
میں خطاکار ہوں میں سزاوار ہوں
مرے سجدوں میں تیری ہی حمد وثنا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میری توبہ ہے توبہ اے میرے الٰہ
مجھ گناہگار کو تو نہ دینا سزا
میری آہوں کو سن لے اے حاجت روا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

مجھ پہ جب بھی مصیبت بنی ہے
وہ تیرے نام سے ہی ٹلی ہے
مشکلیں حل کرو سب کے مشکل کشا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا

میں تو غفار ہوں تو نے خود ہی کہا
نہیں کوئی نہیں ہے شہباز کا
بخش دونگا میں تجھ کو یہ ہے وعدہ تیرا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سو

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ (سورۃ یوسف: ۱۰۸)

دعوت دین کے مراحل

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 21 جولائی 2010ء بروز بدھ ۸ شعبان، ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علماء وطلباء (بعد نماز مغرب)

اقتباس

جو علما بھی دین کا کام کرتے ہیں، وہ بھی دعوت کا کام ہے۔ ہاں نیت پہ منحصر ہے، اگر تو وہ تقریر کررہے ہیں، لوگوں پہ علم کی دھونس بٹھانے کے لیے تو یہ تقریر جہنم میں جانے کا سبب بنے گی اور اگر دل میں درد ہے، نبی ﷺ کی امت کا غم ہے کہ اس محلے کے سارے لوگ نمازی بن جائیں، محلے کے تمام گھروں سے فحش آلات ختم ہو جائیں، موسیقی کے آلات ختم ہو جائیں، سارے گھروں میں اللہ کے نبی کی سنتیں زندہ ہو جائیں، اس نیت سے اگر آپ درس دیتے ہیں تو آپ کا درس دین کی دعوت کا کام ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

دعوتِ دین کے مراحل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (سورۃ یوسف:۱۰۸)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

تین قسم کے لوگ:

اللہ رب العزت نے انسان کو عقل کی نعمت سے نوازا ہے، یہ اللہ رب العزت کی عظیم نعمت ہے جس کی وجہ سے انسان دوسرے جانداروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ عقل کے اعتبار سے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

① عقل استعمال کرنے والے:

پہلی قسم کے لوگ وہ جو سرے سے عقل استعمال ہی نہیں کرتے، ان کے جذبات احساسات ان پر غالب ہوتے ہیں، لہٰذا ایسے کام کرتے ہیں کہ دیکھنے والا اس پر حیران ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ بت پرست، انسان گائے کی پوجا کرنے والا، چیچل کی پوجا کرنے والا، سانپ کی پوجا کرنے والا، یہ بت پرست قسم

کے جو لوگ ہوتے ہیں، یہ عقل سے فارغ ہوتے ہیں۔ ان کی عقل ان کو یہ سبق بھی نہیں سکھاتی کہ تم مخلوق کی پوجا کر رہے ہو پروردگار کوئی اور ہے۔

(۲) عقل کو استعمال نہ کرنے والے:

دوسری طرح کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو سرے سے کام ہی عقل سے لیتے ہیں، جو عقل میں آئے اس کو مانتے ہیں جو عقل میں نہ آئے اس کو مانتے ہی نہیں۔ یہ دہریہ لوگ اور مادیت پرست لوگ۔ سائنس کہے گی تو مانیں گے، نہیں کہے گی تو نہیں مانیں گے، اب اگر کوئی سنار کے ترازو پہ پہاڑ کو تولنے بیٹھ جائے تو اس کو تو بے وقوف ہی کہیں گے کہ بھئی! سنار کے ترازو پہ پہاڑ تو نہیں تلتا کہ عقل کو بنیاد بنا کر اللہ کو سمجھنا چاہتے ہیں، چنانچہ راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔

(۳) عقل و وحی دونوں کو استعمال کرنے والے:

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو عقل بھی استعمال کرتے ہیں، جہاں عقل کی لمٹ ختم ہوتی ہے وہاں وحی کا علم استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایمان والے اور مسلمان لوگ ہوتے ہیں۔

اس کی ایک (Simple) سادہ مثال یوں سمجھیے کہ کسی حاکم نے حکم دیا کہ فلاں پہاڑ جو تمہارے گھر سے ایک ہزار میل دور ہے، اس کی چوٹی پر جاؤ۔

تو تین طرح کے لوگ: کچھ تو گھر ہی سے پیدل چل پڑے یہ عقل سے فارغ، یہ ہزار میل تو پیدل چل ہی نہیں سکتے۔ دوسرے قسم کے لوگ وہ جنہوں نے سمجھا کہ سفر لمبا ہے ہم عقل استعمال کریں، انہوں نے سواری لے لی، لہٰذا یہ سواری پر سوار ہو کر پہاڑ کے دامن پر پہنچے اور پھر سواری کو کھڑا کر کے اوپر پیدل چڑھ گئے، یہ منزل پہ پہنچنے والے ہیں۔ تیسرے وہ تھے جنہوں نے سوچا کہ بھئی سواری ہے جو سہی، لہٰذا سواری

کے ساتھ پہاڑ پر چڑھنے لگے تو وہ بھی کھائی میں گرے۔ تو عقل کی مثال سواری کی مانند ہے۔ جو بت پرست قسم کے لوگ ہیں وہ سرے سے سواری کو استعمال ہی نہیں کرتے، یہ پیدل چلنے والے ہیں یعنی عقل سے پیدل ہیں۔ جو عقل پرست لوگ ہیں وہ سواری پر بیٹھ کے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے ہیں۔ اور جو مومن ہیں، ایمان والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جتنا راستہ عقل پر طے ہوسکتا ہے وہ کرتے ہیں، جہاں عقل کے پاؤں لنگ ہیں وہاں عقل کو چھوڑ دیتے ہیں، وہاں وہ وحی کے اوپر سفر کرتے ہیں۔

عقل کی حد:

چنانچہ دین اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم عقل سے کام ہی نہ لو، قرآن مجید پڑھیے! جگہ جگہ نظر آئے گا

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ "کیا دیکھا تم نے؟"

﴿اَلَمْ تَرَوْا﴾ "تم ذرا دیکھو!"

﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا﴾ "دیکھتے کیوں نہیں؟"

تو اسلام آنکھیں بند کرنے کا حکم نہیں دیتا آنکھیں کھولنے کا حکم دیتا ہے کہ تم آنکھیں کھولو، دیکھو! اس کائنات کو، میری نشانیاں نظر آئیں گی۔ چنانچہ حسن اسلام یہ ہے کہ احکام شریعت سمجھ میں آتے ہیں لیکن عقل کو ہی معیار نہیں بنایا جاتا۔ جہاں ایمانیات کا معاملہ آتا ہے وہاں اس کو ایک طرف کر دیتے ہیں۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جہاں ایمانیات کا مسئلہ آتا ہے، عقل کو ایک طرف کر دیتے ہیں، یہ اس دین کا کمال ہے۔

دنیا دارالاسباب ہے:

چنانچہ دین نے ہمیں سکھایا کہ یہ عالم اسباب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اسباب کے ذریعے سے چلایا ہے مگر تم اسباب کے پیچھے مت بھاگتے پھرو، مسبب الاسباب کو دیکھو کہ جس کے حکم سے جس کی مرضی سے یہ کائنات کا نظام چل رہا ہے۔

◉ اسی لیے نوح علیہ السلام کے زمانے میں سیلاب آنا تھا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ (ھود:۳۷)

''کشتی بناؤ ہماری آنکھوں کے سامنے، ہماری وحی کے مطابق''

ڈیزائن بھی ہم سکھائیں گے اور سپرویژن بھی ہم کریں گے۔ کشتی بنانے کی ضرورت تو نہیں تھی اللہ تعالیٰ بچانا چاہتے تو بچا لیتے، طوفان کیا کر سکتا تھا؟ مگر نہیں اسباب کے تحت زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی کہ اسباب اختیار کرو۔ لہٰذا انسان تدبیر اختیار کرے مگر یقین تقدیر کے اوپر رکھے کہ اسباب تو میں اختیار کر سکتا ہوں لیکن نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس نے ایسا کر لیا وہ انسان کامیاب ہے۔

◉ بی بی مریم درد کی وجہ سے پریشان ہیں حکم ہوتا ہے:

﴿وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾

(مریم:۲۵)

''کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ! تمھارے لیے تازہ کھجوریں گریں گی''

بھئی اللہ تعالیٰ اگر چاہتے کھجوریں ویسے ہی بی بی مریم کو مل جاتیں، مگر ان کی منشاء یہی ہے کہ میرے بندے اس اسباب کے عالم میں اسباب کو اختیار کریں۔ فرمایا کہ تمہارا کام ہے درخت ہلانا اور کھجوریں پہنچانا وہ ہمارا کام ہے۔

◉ چنانچہ یوسف علیہ السلام کو جب واقعہ پیش آیا تو دروازے بند تھے، اگر بچے کو بھی پتہ

ہو کہ دروازہ بند ہے تو وہ دروازے کی طرف نہیں بھاگتا، یوسف علیہ السلام تو بڑے تھے، کامل تھے، علم اور عقل رکھنے والی شخصیت تھے۔ جب اس نے یہ کہا:

﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ (یوسف:۲۳)

''کہنے لگی میری طرف آؤ، کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''

اور یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بھاگے، وہ جانتے تھے کہ بھاگنا میرا کام ہے پھر دروازوں کو کھولنا میرے پروردگار کا کام ہے اور اللہ نے دروازے کھول دیے۔ تو اس دنیا میں جو اسباب کے تحت زندگی گزارے وہ زیادہ کامل ہے مگر یقین اسباب پر نہ رکھے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص کا نزول جتنا کامل ہوتا ہے اس کی زندگی اتنی عوام الناس کی مانند ہوتی ہے۔ پتہ بھی نہیں چلتا کہ اندر سے یہ کیا ہے؟ اوپر سے عام آدمی نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ نبی علیہ السلام کی ظاہراً اتنی سادہ زندگی تھی کہ کفار کہتے تھے کہ

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (فرقان:۷)

''یہ کیسے رسول ہیں کھانا کھاتے ہیں بازاروں میں جاتے ہیں''

عام بندے کی سی زندگی تھی تو یہ نبی علیہ السلام کے کمال کی دلیل ہے۔ نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے، باہر سے آنے والے بندے کو پوچھنا پڑتا تھا:

مَنْ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ

''تم میں سے محمد کون ہے؟''

یعنی نبی ﷺ کی ظاہری زندگی اتنی سادہ تھی۔ تو جس کا نزول جتنا کامل ہوگا وہ درجے میں بھی اتنا بڑھا ہوا ہوگا۔

اللہ مسبب الاسباب ہے:

ہم اس دنیا میں اسباب کو اختیار کریں لیکن اسباب پر بھروسہ نہیں کرنا۔ بھروسہ اپنے پروردگار پر ہو، وہ چاہتا ہے اسباب کو موافق کر دیتا ہے، وہ چاہتا ہے اسباب کو مخالف کر دیتا ہے۔

ایک بندے نے دودھ پیا صحت ہوگئی، پہلوان بن گیا، دوسرے بندے نے دودھ پیا فوڈ پوائزن ہو کر اس کی موت ہی آگئی۔ ادھر بھی دودھ ادھر بھی دودھ، معلوم ہوا کہ اثر ڈالنے والا پروردگار ہے۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہونا چاہتا تھا جیسے ہی دروازہ کھولا تو اندر سانپ تھا تو وہ وہاں سے بھاگا، ایک منٹ کے بعد اس کے کمرے کی چھت نیچے گر گئی۔ سانپ کو اللہ نے ذریعہ بنا دیا اس کی جان بچانے کا، اگر اندر وہ داخل ہوتا اور پھر چھت گرتی تو بچتا کیسے؟ تو سانپ ذریعہ بن گیا۔ اور دوسرے واقعے میں بارات جا رہی ہے، ایک بندہ کہتا ہے کہ جی نیچے بڑی گرمی ہے میں چھت پر جا کر بیٹھتا ہوں۔ وہ بس کی چھت پر جا کر بیٹھا۔ اللہ کی شان کہ ایک چیل نے کہیں سے سانپ پکڑا تھا وہ لے کے اڑی جا رہی تھی عین اس بندے کے اوپر سانپ جو چھوٹا، اس پر گرا کاٹا اور بندے کی موت آگئی۔ یہاں سانپ زندگی ملنے کا ذریعہ بن رہا ہے اور ادھر سانپ زندگی جانے کا ذریعہ بن رہا ہے۔ یہ اسباب برتنوں کی مانند ہیں جیسے گلاس کے اندر آپ چاہیں تو پانی ڈال دیں آپ چاہیں تو دودھ ڈال دیں۔ تو اسباب بھی اسی طرح ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو عزت ڈال دیتے ہیں اور اللہ چاہتے ہیں تو اسی میں ذلت ڈال دیتے ہیں۔

یہاں مومن اور کافر کے درمیان ایک فرق ہے، کافر سو فیصد اسباب پر بھروسہ

رکھتا ہے اور مومن سو فیصد اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس لیے کہنے والے نے کہا:

؎ بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اختیارِ اسباب مگر بھروسہ اللہ کی ذات پر:

تو ہم نے اسباب اختیار کرنے ہیں تدبیر اختیار کرنی ہے مگر تقدیر کے یقین کے ساتھ، بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ جانا، بھروسہ اللہ کی ذات پر اس کے احکام کو پورا کریں گے تو وہ پروردگار ذلت کے نقشوں میں عزت نکال دے گا پریشانی کے عالم میں ہمارے لیے خوشیاں نکال دے گا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک واقعہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا ہے، پوچھا:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى﴾ (طٰہٰ:۱۷)

''اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟''

جواب میں کہا کہ

﴿هِيَ عَصَايَ﴾

''یہ میرا عصا ہے۔''

پھر اس کے فائدے گنوائے:

﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ:۱۸)

''میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں، پتے جھاڑتا ہوں، اس کے علاوہ بھی کئی فائدے ہیں''

اب جب فائدے گنوائے تو رب کریم نے فرمایا:

﴿اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾ (طٰہٰ:۱۹)

”اے میرے پیارے موسیٰ! اس کو زمین پر ذرا ڈال دو!“

﴿فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾ (طٰہٰ:۲۰)

”جب زمین پر ڈالا، دوڑنے والا اژدھا بن گیا۔“

موسیٰ علیہ السلام نے جب اژدھے کو دیکھا تو خوف محسوس کیا

﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ (طٰہٰ:۲۱)

”فرمایا: پکڑ لیجیے اس کو ڈریے نہیں! ہم اسے پہلے والی سیرت عطا کر دیں گے۔“

سانپ کو پکڑتے ہیں وہ عصا بن جاتا ہے۔ اب یہاں کوئی شعبدہ دکھانا مقصد نہیں تھا، سبق دینا مقصد تھا۔ اے میرے پیارے موسیٰ! آپ جس عصا میں اتنے فائدے گنوا رہے تھے، ہمارے حکم سے آپ نے زمین پر ڈالا تو وہ نقصان دینے والا اژدھا بن گیا اور جس اژدھا کو دیکھ کر آپ اتنا گھبرا رہے تھے ہمارے حکم سے اس اژدھا کو ہاتھ لگایا تو ہم نے نفع دینے والا عصا بنا دیا۔

کامیابی اور عزت اللہ کے حکم میں ہے:

رب کریم نے یہاں ایک سبق بتا دیا اور یہ سبق آج بھی ہمارے لیے ہے، اس لیے قرآن مجید میں اس واقعے کو نقل کر دیا کہ اے ایمان والو! اس واقعے کو پڑھو اور اس کو سمجھو! قانونِ قدرت کو سمجھو! حکمِ خدا کے مطابق نقصان والی چیز کی طرف قدم اٹھاؤ گے تو تمہیں نفع ملے گا، حکم خدا کے مطابق ذلت کے نقشوں میں سے اللہ تمہارے لیے عزت نکال دے گا۔ تم حکم خدا کے ساتھ چمٹے رہو، ڈٹے رہو۔ مشاہدے کی زندگی نہیں یہ تو کافر کی زندگی ہوتی ہے۔ مشاہدے کی زندگی یہ کہ جو دیکھا وہی کر لیا۔ مومن

مشاہدے کو نہیں دیکھتا، مومن اللہ کے حکم کو دیکھتا ہے، اس کو پکا یقین ہوتا ہے کہ ہونا اسی طرح ہے۔

چنانچہ غور کیجیے کہ ملک و مال فرعون کے لیے ذلت کا سبب بنا، ملک و مال یوسف علیہ السلام کے لیے عزت کا سبب بنا۔ وجہ کیا تھی؟ فرعون نے ملک و مال کو استعمال کیا اپنی مرضی سے اور یوسف علیہ السلام نے اس کو استعمال کیا اللہ کی مرضی سے، اس کو ذلت ملی ان کو عزت ملی۔

قارون کے لیے زمین پھٹتی ہے، نیچے دھنس جاتا ہے۔

﴿ وَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ﴾ (القصص: ۸۱)

تو زمین پھٹی تو قارون کے لیے ذلت نکلی اور زمین پھٹی تو اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے عزت کا سبب بن گئی۔ زمین وہاں بھی پھٹی، زمین یہاں بھی پھٹی۔ وہاں ذلت کا سبب بن رہی ہے اور یہاں پر عزت کا۔ اس لیے کہ قارون نے اللہ کو ناراض کیا تھا، اب زمین کا پھٹنا اس کے لیے ذلت کا باعث بنا، بی بی ہاجرہ علیہا السلام نے بیٹے کی خاطر اللہ کو راضی کیا، اللہ نے بیٹے کے ذریعے زم زم کو جاری فرما دیا۔

اس لیے راحت اگر دین کے ساتھ آئے تو عزت کا سبب اور راحت دین کے بغیر آئے تو ذلت کا سبب۔ فرعون کو راحت ملی دین کے بغیر تو ذلت ملی، سلیمان علیہ السلام کو راحت ملی دین کے ساتھ تو ان کی عزت کا سبب بنی۔

اخوانِ یوسف نے تدبیر کی شریعت کے خلاف بالآخر ان کو ذلت ملی اور یوسف علیہ السلام نے گناہ سے بچنے کی تدبیر کی شریعت کے مطابق ان کو بالآخر عزت ملی۔

تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور کامیابی اگر ملے گی تو حکمِ خداوندی سے ملے گی۔ مومن کے دل میں اس بات کا پکا یقین ہونا

چاہیے۔

وسعتِ نعمت رضائے الٰہی کی دلیل نہیں:

اس لیے نعمت کا آنا اور جانا اللہ کی رضا اور عدم رضا کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ بڑا پیسہ مل رہا ہے، یہ اللہ کے راضی ہونے کی کوئی نشانی تھوڑی ہے؟ کوئی بہت غریب، فقیر مسکین ہے یہ اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں ہے، یہ تو حالات ہیں اللہ نے کسی کو اس میں رکھا اور کسی کو اس میں رکھا، ہاں اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرورتیں سب کی پوری کرتے ہیں فرمانبرداروں کی بھی کرتے ہیں، لیکن خوش ہوکر اور نافرمانوں کی بھی پوری کرتے ہیں مگر ناراض ہوکر۔

گھر میں بھی کئی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ بیوی نے کوئی چیز مانگی تو بڑے پیار اور محبت سے فوراً لے کر دے دی اور کبھی اس نے بے موقع مطالبہ کر مارا تو پورا تو پھر بھی کر دیا مگر ناراض ہوکر۔ خاموش ہوکر۔ تو اللہ تعالیٰ نعمتیں سب کو دیتے ہیں ایمان کو والوں کو بھی خوش ہوکر دیتے ہیں اور کافروں کو بھی مگر ناراض ہوکر دیتے ہیں۔

اس کی مثال سمجھیں! آپ نے گھر میں طوطا پالا ہے تو آپ اس کو کھانا دیتے ہیں پنجرے میں، مگر خوش ہوکر دیتے ہیں، خیال رکھتے ہیں، کہتے بھی ہیں کہ بھئی! دیکھو کہیں بھوکا نہ رہ جائے۔ تو طوطے کو رزق ملا خوشی کے ساتھ اور کبھی چوہا پکڑنے کے لیے اس کے سامنے بھی روٹی رکھتے ہیں، تو چوہے کو بھی روٹی ملی مگر ناراض ہوکر، اسے ٹریپ کرنا تھا، اس لیے دی۔

علمی نکتہ:

علمی نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو جو رزق دیتے ہیں اس کا نام فتح ابواب

رکھتے ہیں، دروازوں کو کھول دینا۔ فرمایا:

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾

(الانعام:۴۴)

''جب انہوں اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے''

اور ایمان والو! کو جب اللہ تعالیٰ خوش ہو کر رزق دیتے ہیں تو اس کا نام اللہ نے رکھا فتح برکات، برکتوں کو کھول دینا، فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الاعراف:۹۶)

''اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمینوں سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے''

تو کافروں کے لیے فتح ابواب اور ایمان والوں کے لیے فتح برکات۔

عذاب اور آزمائش:

اسی طرح کافروں کو جو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈالتے ہیں تو اس کا نام عذاب رکھا۔ کافروں کو جو تنگی آتی ہے، جو پریشانی آتی ہے وہ بطورِ سزا آتی ہے، تو قرآن مجید میں اس کو عذاب کہا:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (سجدہ:۲۱)

''ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے ایک چھوٹا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ جائیں''

اب یہ قبر کا عذاب بھی اور دنیا کا عذاب بھی اسی میں شامل اور دوسری جگہ فرمایا کہ ہم نے ان کافروں کو یوں تباہ کیا:

﴿كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ﴾ (قلم:۳۳)

"یہ ایسا ہی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے"

تو معلوم ہوا کہ کافروں کو دنیا کے اندر جو مار پڑتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے عذاب ہوتا ہے۔

مومن پر بھی مشکل آتی ہے مومن کی مشکلات کا نام قرآن نے ابتلا رکھا، یعنی آزمائش۔ بھئی! اچھے خوبصورت برتن کو بھی لینا ہو تو ٹھوک بجا کر لیتے ہیں کہ کچا ہے کہ پکا۔ تو مومن خوبصورت ہوتا ہے، ایمان کی نعمت والا ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتے ہیں کہ کچا ہے یا پکا۔ اب اس کچے اور پکے کو دیکھنے کا نام ابتلا ہے۔ اللہ رب العزت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا﴾ (الاحزاب:۱۱)

"وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلا دیے گئے"

امت مسلمہ پر آزمائشیں زیادہ آئیں:

پہلی امتوں پر بھی آزمائشیں آئیں مگر کم آئیں، اس امت پر آزمائشیں بہت زیادہ آئیں ہیں، وہ کیسے؟ دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے:

پہلی امتوں پر جو عذاب آیا، ابتلا آئی، تو رب کریم فرماتے ہیں:

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

"ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ ہلا دیے گئے حتیٰ کہ پیغمبر اور

مومن جو ان کے ساتھ تھے سب کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟''

''زلـزلـوا'' ایک لفظ استعمال کیا۔ آزمائش کی مقدار اتنی تھی کہ ''زلـزلـوا'' ہلائے گئے۔

اور ایمان والوں پر صحابہ پر جو ابتلا آئی فرمایا:

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾

اس لیے کہ درجے جو بڑے ملنے تھے، جتنے اونچے رتبے ملنے ہوتے ہیں اتنی آزمائش بڑی ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾

''ہم تمہیں آزمائیں گے''

مگر آخر پر فرمایا کہ

﴿وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾

''صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجیے۔''

مرضیء مولیٰ از ہمہ اولیٰ:

تو جو بندہ اللہ پر یقین کو پکا کر لیتا ہے، ایمان کو مضبوط اور ٹھوس بنا لیتا ہے۔

مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ

اللہ کی مرضی سب سے بالا ہے، اپنی مرضی پر ہم نے نہیں چلنا اللہ کی مرضی پر چلنا ہے، اللہ کی منشاء کو پورا کرنا ہے۔ تو اللہ رب العزت اپنے بندے کے ساتھ اپنی مدد کا معاملہ فرما دیتے ہیں۔ اور جو اپنی عقل اور سمجھ کے ساتھ قدم اٹھا رہا ہوتا ہے، وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہا ہوتا ہے، دھکے کھا رہا ہوتا ہے، بیچارہ۔ پنجابی کے ایک شاعر نے کہا:

اس دکھی حیاتی دے پینڈیاں وچ
کدی راہ پے گئے ہے کدی بھلدے رہے
ہک ڈیوا امید دا بلدا رہیا
لکھ جھکھڑ ہنیریاں دے چلدے رہے
پت جھڑ دے جھڑے ہوئے پتیاں وانگ
اسیں تیرے جہان وچ رلدے رہے
پر دامن امید دا چھڈیا نہ
اسیں نال تقدیر دے کھلدے رہے

وہ بیچارے تقدیر کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔تقدیر کے ساتھ کھیلنے کی کیا ضرورت ہے بھئی؟ اللہ کی رضا پر راضی رہو، شریعت کے مطابق قدم بڑھاؤ، جس نے تالے لگائے ہیں وہی دروازے کھولے گا۔تو ہم اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کو اگر اپنائیں گے تو اللہ ہماری مدد فرمائیں گے، اللہ ہمارے ساتھ ہو جائیں گے۔

نصرت الٰہی سب پر بھاری:

اللہ کی مدد اور نصرت شاملِ حال ہو جائے گی اور پھر جو ٹکرائے گا وہ منہ کی کھائے گا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام آئے تو نمرود کا معاملہ ٹھپ ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو فرعون کا معاملہ ٹھپ اور جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے تو قیصر و کسریٰ کا معاملہ ٹھپ ہو گیا۔ جو اللہ کے ساتھ یقین کی نعمت کو لے کر میدان میں اترتا ہے، ہمیشہ اس کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ یہ بات صرف سنی نہیں، دل میں بٹھانی ہے، سوچنا ہے کہ کیا ہمارے دل میں ایسی کیفیت ہے یا نہیں۔

جیسا عمل ویسی جزا:

اب دیکھیے! اس دنیا میں ایک اصول ہے کہ "جَزَاءٌ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ" جیسا عمل ویسی جزا۔ تو بندہ جیسا معاملہ اللہ کے ساتھ کرے گا، اللہ تعالیٰ ویسا معاملہ بندے کے ساتھ کریں گے۔ ع

جیسی کرنی ویسی بھرنی نہ مانے تو کر کے دیکھ

یہ خدا کا قانون ہے، حکمِ خدا پر ہم اگر جمے رہیں گے تو جو چیز ہمارے لیے پریشانی کا سبب ہے، اللہ اسی کو خوشی کا سبب بنا دیں گے۔ جو ہمارے لیے ذلت کا سبب ہے، اللہ اسی کو عزت کا سبب بنا دیں گے۔

مثال ا:

اب ذرا سنیے مثال: قرآن عظیم الشان میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اپنے بیٹے کو دریائے نیل میں ڈالتی ہیں، طبیعت بڑی غم زدہ ہے، حکم کے سامنے سر جھکا دیا ہے، مگر دل تو قابو میں نہیں ہوتا نا بندے کا، دل بڑا غم زدہ ہے کہ بیٹا جدا ہو رہا ہے۔ عقل کہہ رہی ہے کہ دیکھو تم نے ڈبے میں بچے کو ڈالا اب اس کو واٹر ٹائٹ بناؤ گی تو یہ ایئر ٹائٹ آٹومیٹک بن جائے گا اور بچہ دم گھٹ کر مر جائے گا اور اگر ہوا کے لیے سوراخ بناؤ گی تو آٹومیٹک اس میں پانی جائے گا اور بچہ ڈوب کر مر جائے گا۔ عقل کہتی ہے کہ تیرا بچہ نہیں بچتا جو مرضی ہو، اس نے اللہ کے حکم پر عمل کیا، تو طبیعت غم زدہ ہوئی۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو غم ملنے کا سبب کیا تھا پانی تھا، جس میں بچے کو ڈالا۔ اب ذرا غور کیجیے کہ بنی اسرائیل کو نجات دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا، فرعون کو بھی دھنسا سکتے تھے، فرعون کو موت خشکی پر بھی آ سکتی تھی مگر

نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساتھ معاملہ کیا کیا کہ فرعون کو دریا میں ڈبویا۔ کیوں؟ اے میری بندی! بچے کو پانی میں ڈال کر تمہیں غم ملا تھا، اسی پانی کو میں تمہارے لیے خوشی کا سبب بنا تا ہوں، یہ فرعون کو ڈبوے گا۔ یہ خوشی کا سبب بن جائے گا، فرعون کو بھی دکھا دیا کہ دیکھ کر تو بڑے تکبر سے کہتا تھا۔

﴿اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ﴾

(زخرف:۵۱)

’’کیا ملک مصر اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہتی ہیں میری نہیں ہیں؟‘‘

بڑا مان تھا تجھے کہ میرے نیچے آب پاشی کا ایسا نظام ہے، اسی دریا میں میں نے تجھے تباہ کر دیا، سبق دیا کہ بڑے بول مت بولنا، بولو گے تو دی ہوئی نعمتوں کو ہم واپس چھین لیں گے۔ جس پروردگار کو دینا آتا اسی پروردگار کو واپس لینا بھی آتا ہے۔

مثال۲:

دوسری مثال: حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے جب کنویں میں ڈالا تو وہ ان کی قمیص اپنے باپ کے پاس دکھانے کے لیے لے کر گئے، اوپر کچھ خون بھی لگا دیا تھا۔

﴿وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ﴾ (یوسف:۱۶)

’’رات کو روتے دھوتے آگئے ابا کے پاس‘‘

کہنے لگے کہ دیکھو! ہمارے بھائی کو بھیڑیا کھا گیا۔

﴿وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ (یوسف:۱۸)

’’قمیص کو جھوٹ موٹ کا خون لگا کر آئے گا‘‘

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کرتے کو دیکھا، قمیص کو دیکھا تو دل پر صدمہ ہوا،

اب یعقوب علیہ السلام کے لیے صدمہ کا سبب کیا بن رہا ہے؟ قمیض بن رہا ہے۔ ذرا غور کیجیے! کہ قمیض سبب بنا یعقوب علیہ السلام کو صدمہ ملنے کا اور انہوں نے کہا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ میں صبر کروں گا۔ اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کی بھائیوں سے صلح ہوئی، معافی تلافی ہوگئی اور انہوں نے کہا کہ جی ابا جان رو رو کے بوڑھے ہو گئے ہیں اور ان کی بینائی چلی گئی ہے تو اس وقت یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں دعا کر دوں گا، بینائی ٹھیک ہو جائے گی۔ فرمایا:

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ﴾ (یوسف:۹۳)

''یہ میری قمیض کو لے کر جاؤ اور ان کے چہرے پر ڈال دو''

﴿اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا﴾ (یوسف:۹۶)

''جب چہرے پر ڈالی بینائی لوٹ آئی''

جو قمیض ان کے لیے غم کا سبب بنی تھی، اللہ نے اسی قمیض کو ان کے لیے خوشی کا سبب بنا دیا۔ وہ پروردگار قدرت دکھاتا ہے کہ غم اور خوشی ڈالنا میرے اختیار میں ہے، لہٰذا سبق یہ دیا گیا کہ تم اسباب کے پیچھے نہ بھاگو۔

مثال ۳:

یہاں ایک اور علمی نکتہ ہے ابرہہ بیت اللہ کو گرانے کی نیت سے چل پڑا اور ہاتھیوں کا لشکر اس کے ساتھ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھیوں کو مروا دیا۔ کس سے مروایا؟ چھوٹی چھوٹی چڑیوں سے، مفسرین نے اس کا جواب لکھا اور صحیح لکھا۔ راز اس میں یہ ہے کہ ابرہہ جانوروں میں سے سب سے مضبوط، بھاری بھرکم اور طاقت ور جانور کو لے کر آیا اور اللہ نے اس کے مقابلے میں چڑیوں کو کہا، ننھی سی جان کو کہا کہ دیکھو! تمہارے اتنے طاقت ور جانوروں کو میں اتنی ننھی سی جان والے پرندوں سے

ختم کروا سکتا ہوں۔ تو یہ جواب بھی مفسرین کا بالکل ٹھیک ہے۔

ایک اور جواب ہے جو اور بھی زیادہ خوبصورت ہے اور وہ جواب یہ کہ مفسرین نے لکھا کہ اصل میں معاملہ یہ تھا کہ ابرہہ چلا تھا بیت اللہ کو گرانے کی نیت سے اور یمن میں اس نے اپنا ایک عبادت خانہ بنایا تھا، اس کو بڑا بنانے کی نیت سے، مرکز بنانے کی نیت سے۔ وہ ترتیب بدلنے چلا تھا کہ عزت والے گھر کو مٹا دے اور جس کی کوئی حیثیت نہیں اس کو عزت والا بنا دے۔ تو ترتیب بدلنے کی نیت سے چلا تھا جس نیت سے چلا تھا اللہ نے ویسا ہی معاملہ کیا۔ فرمایا: میرے بندو! آج تک میری ترتیب یہ ہے انسان شکاری ہوتا ہے، پرندے شکار ہوتے ہیں، آج میں بھی ترتیب بدل رہا ہوں، آج کے دن پرندے شکاری بنیں گے تم ان کا شکار بنو گے، وہ صیاد ہوں گے تم آج ان کا صیاد بنو گے۔

﴿ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ﴾
(الفیل: ۳)

دیکھا تو معلوم ہوا جیسی کرنی ویسی بھرنی، ہم اگر اسباب کے پیچھے زندگی گزاریں گے تو بربادی کے سوا اس کا کوئی انجام نہیں۔ اور اگر مسبب الاسباب کی خوشی کو سامنے رکھیں گے تو ہماری فلاح ہمیں یقیناً مل کر رہے گی۔ یہ ایک بات ایسی ہے جس کو بار بار کرنے کی اور دلوں میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔

نبی علیہ السلام کی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان پر محنت:

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان بنایا، تاکہ صحابہ کرام کا ایمان، اللہ کی ذات پر یقین اور بھروسہ پختہ ہو جائے۔ اور اس کی دلیل حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کو فرما رہے ہیں:

يَا غُلَامُ! اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ

’’تو اپنے دھیان میں اللہ کو رکھ، اللہ تجھے اپنے دھیان میں رکھے گا۔‘‘

اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ

اللہ کو اپنے دھیان میں رکھ، تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا۔

وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ

’’اگر تجھے مانگنا ہے تو اللہ سے مانگ۔‘‘

وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ

’’اور اگر مدد طلب کرنی ہے تو اللہ سے مدد طلب کرو‘‘

اِعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ اِلَّا قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكَ

’’اس بات کو جان لے کہ ساری امت جمع ہو جائے نفع پہنچانے کے لیے نفع نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا۔‘‘

وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ اِلَّا قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

’’تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، سوائے اس کے کہ اللہ نے اگر فیصلہ کر لیا نقصان پہنچانے کا۔‘‘

رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ

’’قلم اٹھا لی گئی صحفہ خشک ہو گیا‘‘

مقدر کے فیصلے ہو چکے تو سبق دیا کہ دیکھو کہ مدد بھی اللہ سے مانگو، سوال بھی اللہ سے کرو، وہ چاہے گا مل جائے گا وہ نہیں چاہے گا تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، جوتیاں

چٹخاتے پھرو گے دھکے کھاتے پھرو گے، کس کس کے دروازے پر تم جاؤ گے؟

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ہزاروں سجدوں سے نجات ملتی ہے، ایک اللہ کے در پر سجدہ کر لینے سے۔ ساتھ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کے ساتھ اپنے تعلق کو جوڑیں، مضبوط کریں، یہ بات دل میں اتر جائے کہ اللہ کا حکم ماننے میں کامیابی اور گناہ کرنے میں ہماری ناکامی ہے۔ یہ بات کرسٹل کلیر (آئینے کی طرح واضح) ہو جائے کہ اللہ کا حکم ماننے میں کامیابی اور اللہ کے حکم توڑنے میں ناکامی ہے۔

جنگوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت

اب دیکھیں! صحابہ کی زندگی میں مختلف حالات آتے رہے لیکن ہر قدم پر اللہ نے ان کو سبق سکھایا، قدم قدم پر سبق سکھایا۔ یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہوگا کہ جی امن کے حالات میں نبی ﷺ نے وعظ فرمایا تو چلو سبق سیکھا، جنگیں بھی ہوئیں تو جنگیں بھی سبق سکھانے کا ذریعہ بن گئیں۔ علمی نکتہ ہے کہ ہر جنگ جو ہوئی، اس کے پیچھے سبق تھا۔ غور کیجیے! فتح مکہ سے پہلے جو جنگیں ہوئیں! ان سب میں سبق۔

جنگِ بدر کا سبق:

مثال کے طور پر جنگِ بدر ہوئی اس میں سبق تھا۔ لا الہ الا اللہ کا یقین دل میں بٹھانا تھا کہ دیکھو تمہاری تیاری بھی نہیں تھی، ایک ہزار کے مقابلے میں تم تین سو تیرہ آ کے کھڑے ہو گئے اور پورے لشکر میں دو تلواریں، قرآن کہتا ہے:

﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ (الانفال:۶)

''یعنی تھا کہ موت کے منہ میں دھکیلے جارہے ہیں اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں''

لوہے میں ڈوبی فوج سامنے تھی۔ لیکن اللہ کا فیصلہ کچھ اور تھا۔

﴿لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ (الانفال:۸)

اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھو نا!

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (الانفال:۲)

''اور تحقیق اللہ نے مدد کی تمہاری بدر کے دن جب تم کمزور تھے''

صحابہ خود مانتے ہیں کہ ہم بہت کمزور تھے، نہ سواریاں تھی، نہ تلواریں تھی، بھاگم بھاگ آ کر کھڑے ہو گئے۔ میدان میں آنکھیں کھلی رہ گئیں، ہونٹوں پہ ہاتھ رکھتے تھے کہ مکہ تو نے اپنا دل نکال کر سامنے رکھ دیا، ایسے جوان ڈھونڈ کر لائے تھے۔ وہ کفار ایک طرف ایسی تیاری کے ساتھ اور دوسری طرف نہتے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ دیکھو کہ تم میرے بن کر رہو گے تو دنیا کی طاقت بھی تمہاری سامنے آ کر کھڑی ہو جائے گی تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گی۔ میں تمہیں دنیا میں کامیاب کر کے دکھاؤں گا۔

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۲۴۹)

''کتنی بار ایسا ہوا کہ ایک تھوڑی جماعت بڑی جماعت کے اوپر غالب آ گئی اللہ کے حکم سے، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یعنی کتنی بار ایسا ہوا کہ ہم نے چڑیوں سے باز مروا دیے، اللہ تو صبر والوں کے ساتھ ہے۔ تو گھبراتا نہیں ہم تمہارے مددگار ہیں، تم اللہ کی مدد کو اپنے پلڑوں میں لے

لو اور بے فکر ہو جاؤ، باقی کام ہمارا ہے، ہم نمٹیں گے تمہاری طرف سے سب کے ساتھ۔ تمہیں کس بات کا غم ہے؟ کس بات کی فکر ہے؟ تو جنگ بدر میں کیا سبق سیکھا؟ جنگ بدر کا مظہر کیا تھا؟ لا الہ الا اللہ۔

جنگِ احد کا سبق:

جنگ احد کے اندر جو سبق سکھایا گیا وہ تھا محمد رسول اللہ (اتباعِ رسول ﷺ) کہ دیکھو! ایک ہے مقصدِ زندگی اور ایک ہے طرزِ زندگی۔ مقصدِ زندگی تو اللہ کی وحدانیت مگر طرزِ زندگی وہ ہوگی جو میرے محبوب ﷺ کی ہوگی، تب کامیاب ہوں گے۔

اب جنگِ احد میں دیکھو! ابتدا میں فتح ہو رہی ہے۔ ایک چھوٹی سی اجتہادی غلطی جس کو مس انڈرسٹینڈنگ کہتے ہیں کہ جن کو نبی علیہ السلام نے پہاڑی پر کھڑا کیا تھا اور فرمایا تھا کہ نیچے نہ اترنا، انہوں نے جب اور مسلمانوں کو ان کا مال سمیٹتے ہوئے دیکھا تو یہ محسوس کیا کہ مقصد یہ تھا کہ جب تک کافروں کو شکست نہ ہو جائے تب تک نیچے نہیں اترنا۔ اب تو ہمیں ان کا پیچھا کرنے میں مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے تو پہاڑی سے نیچے اتر آئے۔ تو خالد جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جنگ کے بڑے ماہر تھے، انہوں نے معاملے کو بھانپ لیا اور لمبا چکر کاٹ کر پیچھے سے آئے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اب مسلمان سینڈوچ بن گئے، سامنے سے کافر بھی لوٹ آئے اور پیچھے سے خالد بن ولید بھی اور انہوں نے پھر مسلمانوں کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔ نقصان بھی ہوا، پریشانی بھی ہوئی۔ رب کریم نے سبق سکھا دیا کہ دیکھو تمہارے پاس تیاری بھی زیادہ تھی، اسباب بھی زیادہ تھے، ظاہری طور پر تمہیں فتح بھی ہو رہی تھی، لیکن جب تم نے میرے محبوب ﷺ کے حکم سے تھوڑا سا آگے پیچھے کیا تو تمہاری

فتح کو بھی ہم نے پریشانی میں بدل دیا۔ تو جنگِ بدر کا مظہر کیا تھا؟ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور جنگ احد کا مظہر کیا تھا؟ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

غزوۂ خندق کا سبق:

پھر اس کے بعد غزوۂ خندق ہوئی، غزوۂ خندق میں سبق یہ سکھانا تھا کہ دیکھو اب تمہارے پاس ساری دنیا کے کافر جمع ہو کر آرہے ہیں۔ چونکہ جنگِ خندق میں کافروں نے علاقے میں خوب چرچا کر کے مختلف قبیلوں سے بندوں کو وصول کر کے، سب کو لے کر آئے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ لوگ آکر مسلمانوں کو کہتے تھے:

﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

''لوگ تمہارے لیے جمع ہو کے آرہے ہیں ڈرو ذرا''

تمہارا بنے گا کیا؟ تمہارے لیے مکہ مکرمہ کی اتحادی جماعت یہ آرہی ہے۔ ﴿فَاخْشَوْهُمْ﴾ تم ڈرو ان سے۔ اللہ نے یہاں سبق سکھانا تھا کہ دیکھو! تم جنگ نہیں کر سکتے تھے، تم لڑ نہیں سکتے تھے، وہ اتنے زیادہ تھے اور پھر ایک خندق بنالی اور اس میں محصور ہو گئے تو اللہ نے ایسی آندھی چلائی:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ﴾ (الاحزاب:۲۵)

''اللہ نے ان کافروں کو ان کے غیض وغضب کے ساتھ واپس لٹا دیا''

﴿لَمْ يَنَالُوْا﴾ ان کے پلے کچھ بھی نہیں آیا۔ سمجھو کہ میرے بن کے رہو گے تو ساری دنیا تمہارے سامنے چڑھ آئے گی، تو کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہیں آئے گا کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

تو غزوۂ خندق کا مظہر یہ تھا کہ مخلوق پر نظر مت رکھنا، ہماری مدد کے اوپر نظر رکھنا۔ مخلوق ساری بھی تمہاری مخالف ہو جائے ہم تمہارے ساتھ ہیں تو کوئی پرواہ نہیں۔

ے کیا غم ہے کہ ہے ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

ایک اللہ ساتھ ہے تو کافی ہے ہمارے لیے۔

صلح حدیبیہ کا سبق:

پھر اس کے بعد صلح حدیبیہ ہوئی تو صلح حدیبیہ میں بھی حکمت تھی۔ سبق تھا کہ میرے بندو! میدان کا ہاتھ میں آنا یا نہ آنا یہ کامیابی نہیں، میری تعلیمات پر عمل کرنا اصل کامیابی یہ ہوا کرتی ہے۔

چنانچہ صلح حدیبیہ میں ظاہرا تو میدان ہاتھ میں نہیں آیا، کافروں کی جو شرطیں تھیں وہ غالب شرطیں تھیں، کوئی بندہ کافر ہو کر آئے گا ہم واپس نہیں کریں گے، مسلمان ہو کے آئے گا واپس کرنا پڑے گا۔ ابھی واپس چلے جاؤ ہم نہیں آنے دیں گے، اگلے سال آنا، یہ کیسی شرطیں؟ تو شرطیں ایسی تھیں کہ لگتا تھا کہ یہ غالب اور وہ مغلوب ہو رہے ہیں۔ اس لیے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رگیں پھڑک گئی تھیں کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اتنا دب کر کیوں یہ سارا کچھ کر رہے ہیں؟ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ پیغام مل گیا ہے کہ

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح: ۱)

اللہ نے اس کو فتح مبین کہہ دیا۔ ظاہر میں کمزوری نظر آرہی ہے تو بتایا کہ میدان میں نظر نہ رکھو کہ ہم نے میدان جیت لیا یا ہار لیا۔ نہیں بلکہ اللہ کے حکم پر نظر رکھو۔

غزوۂ حنین کا سبق:

پھر غزوۂ حنین میں سبق یہ سکھایا کہ دیکھو! اب تو تمہاری تعداد بڑی ہے، اب تم

کہتے ہو کہ اتنے زیادہ تو ہم کبھی بھی نہیں تھے۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ (توبہ:۲۵)

''اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہیں مدد دی، جنگ حنین کے دن جب تم اپنی تعداد پر اتراتے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی''

تمہیں تمہاری کثرت نے عجب میں ڈال دیا، تو پھر تم دیکھو ہم نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ سب بھاگ گئے، اللہ کے حبیب کھڑے ہیں۔ فرمایا:

((أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ))

''میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا، اے بیعتِ رضوان کرنے والو! اصحاب شجرۃ! ان الفاظ کو سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم واپس لوٹے۔ مگر ابتدائی طور پر اتنی انہوں نے تیر اندازی کی تھی کہ معاملہ تتر بتر ہو گیا تھا۔ اللہ نے سبق دے دیا کہ کثرت پہ ناز نہ کرنا، ہماری مدد پر بھروسہ کرنا۔ تو دیکھو! ہر ہر جنگ کے اندر سبق سکھایا گیا ہے۔

دورِ صحابہ، امت کے لیے روشن مثال

صحابہ کا جو دور ہے وہ بھی ہمارے زندگیوں کے لیے روشن مثال ہے۔ مثال کے طور پر: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جہاد کے لیے اپنا مال لاؤ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پورا مال پیش کر دیا، عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال پیش کیا، عثمان رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کے حساب سے مال دیا، سینکڑوں اونٹ دیے، اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ اب دیکھو بندے کے پاس چار صورتیں (Probabilities) ممکن ہیں، چار امکان ہیں:

یا تو بندہ اتنا محبت میں مست ہو کہ پیچھے سوئی بھی نہ چھوڑے سارا ہی دے دے اور کہے کہ میں پیچھے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مثال ہے۔

یا اتنی منظم زندگی ہو کہ دین دنیا کو بیلنس رکھ رہا ہو، اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آدھا گھر والوں کے لیے اور آدھا آپ کی خدمت کے لیے ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ کی مثال ہے۔

اور تیسرا اللہ نے اتنا دیا کہ کروڑ پتی ہے، تو دونوں ہاتھوں سے خرچ کرے، جیسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خرچ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں دیں۔ کچھ صحابہ

اور یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ خرچ کرنے کو ہو ہی نہ، بندہ فقیر ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مثال کہ ساری زندگی ان پر تو زکوۃ فرض نہ ہوئی، مال جڑنے ہی نہیں دیا۔ جو آتا تھا اللہ کے راستے میں خرچ..... تو بھئی! اگر فقیر ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مثال پر عمل کر لو۔ تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان تمام مثالوں میں ہمارے لیے سبق ہے۔

دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ:

اب ذرا غور سے سنیے! یہ بات کہ دورِ صدیقی میں اندرونی فتنوں کا سدِ باب شریعت نے سکھایا۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اندرونی فتنے بہت تھے۔ سب سے پہلے اسامہ بن زید کا جو لشکر بھیجنا تھا، اس کو بھیجنے میں ہی پھڈا کہ بعض حضرات نے مشورہ دیا کہ جی لشکر نہ بھیجیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام پردہ فرما گئے تو کافر کہیں مدینے پر حملہ ہی نہ کر دیں۔ اب یہ کتنا بڑا مسئلہ تھا؟ اس اختلاف رائے کو ختم کرنا۔ تو پہلی بات کہ انہوں نے کہا کہ نہیں اللہ کے نبی نے جسے جھنڈا پکڑا دیا، ابو بکر اس سے

واپس نہیں لے سکتا۔ حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات بھی حیران تھے کہ یہ کیا ہے گا کیا؟ اگر سارا مدینہ خالی ہو گیا تو دشمن تو بھاگ کر چڑھے گا۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ لشکر کے جانے کے بعد جنگل کے درندے آ کر مدینے کی عورتوں کو پھاڑ کھائیں گے، ان کی لاشوں کو گھسیٹیں گے، میں اس لشکر کو پھر بھی وہاں بھیجوں گا۔

کچھ لوگ تھے جن کو کہتے ہیں مانعینِ زکوٰۃ۔ وہ کہتے تھے کہ جی ہمارے علاقے میں لوگ بڑے غریب ہیں تو ہم زکوٰۃ بیت المال میں بھیجنے کی بجائے خود ہی ان میں تقسیم کر دیں گے۔ یہ منکرینِ زکوٰۃ نہیں تھے، منکرین تو ہوتے اگر زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل نہ ہوتے۔ وہ کہتے تھے ہم دیں گے مگر ہم خود تقسیم کریں گے، مرکز میں کس لیے بھیجنی ہے؟ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ نہیں! جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تھا وہی ہوگا، اگر تمہاری زکوٰۃ بیت المال میں آتی تھی، اب بھی میں وہ ضرور وصول کروں گا، اونٹ اگر دو گے اور اونٹ کی رسی اگر نہیں دو گے تو میں پھر بھی تمہیں نہیں بخشوں گا۔ اندرونی فتنوں کا سد باب کرنا سکھایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ابو بکر! وہ زکوٰۃ تو ادا کریں گے نا اپنے علاقے میں؟ تو یہ اتنی بڑی بات تو نہیں کہ وہاں نہیں جمع کروانی، جس پر آپ ان کے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہیں، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے سینے پہ ہاتھ مارا اور فرمایا:

((أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ))

''جاہلیت میں تو اتنا بہادر اور اسلام میں آ کر تم اتنے کمزور؟''

عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری تو آنکھیں کھل گئیں اور آگے کیا بات کہی:

''أَيَنْقُصُ الدِّيْنُ وَ أَنَا حَيٌّ''

"کہ دین کے اندر نقص آئے اور ابوبکر زندہ رہے"

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں:

"فَقَامَ مَقَامَ الْأَنْبِيَاءِ"

"کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا عمل کیا جیسے نبی کھڑا ہوتا ہے۔"

پوری امت کو جوڑ کر رکھ دیا۔ تو دور صدیقی کیا تھا؟ اندورونی فتنوں کا سد باب قیامت تک اگر کوئی حاکم وقت آئے اور چاہے کہ میں اندورنی فتنوں کو ختم کروں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو پڑھ لو اس کو پتہ چل جائے گا کہ اصولوں کو کیسے اپنایا جاتا ہے اور لاگو کیسے کیا جاتا ہے؟

دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ:

پھر دور فاروقی تھا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور اس دور کے اندر تعلیم دی گئی کہ اگرچہ فتوحات کے دروازے کھل رہے ہیں، اتنا مال آرہا ہے کہ خزانے بھر گئے، مدینے میں زکوٰۃ لینے والا ملتا کوئی نہیں، ان فتوحات کے باوجود **تمسک بالکتاب** تمہاری زندگی میں ہونا چاہیے۔

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھو! کتنا کچھ آرہا ہے مگر نہ آسائشوں کو جگہ دی، نہ عیاشی کو جگہ دی، اسی زندگی کو جگہ دی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی۔ تمسک بالکتاب، ڈٹے رہے اس کے اوپر۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ بیت المقدس جارہے ہیں، وہاں نصرانی ہوں گے، یہودی ہوں گے، آپ اچھے کپڑے پہن لیں اور اچھی سواری کے اوپر چلے جائیں، اونٹ کی بجائے گھوڑا لے لیں۔ تو ان کے کہنے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات مان لی۔ ابتدا میں کپڑے بھی نئے پہن لیے اور سواری کے لیے گھوڑا لے لیا۔ سوار ہو کر چند قدم اٹھائے تو، کہنے لگے کہ میرا دل مجھے کہہ رہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

واپس آئے، وہی پرانے کپڑے پہنے اور وہی اونٹ لے لیا۔ اور یہی نشانیاں تھیں جو یہود ونصاریٰ نے بیت المقدس کے فاتح کی اپنی کتب میں پڑھ رکھی تھیں۔

﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ (الفتح:۲۹)

''ان کے یہی اوصاف تورات میں اور یہی اوصاف انجیل میں مرقوم ہیں''

اس کو کہتے ہیں کہ فتوحات کے باوجود تمسک بالکتاب۔ ڈٹ جانا اس کے اوپر۔

دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ:

دورِ عثمانی شروع ہوا تو دورِ عثمانی میں امت کو یہ سبق دیا گیا کہ اختلاف کی شکل میں بھی تحمل اور برداشت پیدا کرو! عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا صبر اور برداشت امت کے لیے ایک روشن مثال ہے اللہ اکبر کبیرا۔

اب کچھ لوگ حدیث اور قرآن پر اعتماد کرنے کی بجائے تاریخ پر اعتماد زیادہ کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم صحابہ کی زندگیوں کو قرآن اور حدیث کے آئینے میں دیکھتے ہیں اور کچھ لوگ صحابہ کی زندگیوں کو تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ تاریخ کی کیا حیثیت ہے؟ جو چیز محفوظ ہے اور ٹھوس ہے وہ تو قرآن اور حدیث ہے۔ یہی فرق ہم میں اور غیروں میں ہے ہم اللہ کے محبوب ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن اور حدیث کے آئینے میں دیکھتے ہیں اس لیے ہم ان کو اپنی زندگیوں کا امام سمجھتے ہیں۔ اور جو کچھ لوگ ان کو تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بڑے علامہ صاحب نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو بڑی بڑی رقمیں ہدیے میں دے دیا کرتے تھے۔ اب ان کو یہ بات حیران کرتی ہے کہ جی مورخین نے لکھا ہے کہ بڑی بڑی رقمیں اپنے رشتے داروں کو ہدیے میں دے دیتے تھے۔ بیک گراؤنڈ کا کچھ پتہ نہیں۔

بات کھل گئی تو ذرا سن لیجیے کہ یہ معاملہ ہوا کیسے؟ افریقہ میں ایک قوم تھی قومِ بربر، مسلمان اس علاقے کو فتح کرتے تھے، آگے بڑھتے تھے تو وہ پیچھے پھر مرتد بن جاتے تھے تو مسلمانوں کو پھر واپس آنا پڑتا، پھر ان کی ٹھکائی کرتے۔ جب کہیں اور قدم بڑھاتے پھر وہ نافرمان ہو جاتے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو بھیجا (بدری صحابی تھے) کہ آپ جائیں اور اس کا پکا بندوبست کریں تاکہ بار بار یہ فتنہ نہ اٹھے۔ وہ گئے، انہوں نے سٹڈی کیا کہ معاملہ کیا ہے؟ انہوں نے نتیجہ یہ نکالا کہ اس قوم کے اندر جوان کا لیڈر ہے نا وہ بددماغ ہے۔ جب جنگ ہوتی ہے وہ بھاگ جاتا ہے اور جب مسلمان چلے جاتے ہیں پھر آکر قوم کو بہکا دیتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ذہن میں یہ رکھا کہ اب اس سرغنے کا سدباب کرنا ہے۔ اس کے جاسوسوں نے اسے بتا دیا کہ جو مسلمانوں کا نیا امیر آیا ہے اس کی نگاہیں تجھ پر ہیں۔ اس نے کیا عقل مندی دکھائی کہ اعلان کرا دیا جو مسلمانوں کے امیر لشکر کا سر لائے گا میں ایک لاکھ دینار اس کو انعام میں دوں گا۔ اپنے لشکر میں یہ اعلان کروا دیا۔ اعلان ہونے کے بعد اب اس کی فوج کا ہر ایک بندہ اس مسلمان صحابی کے پیچھے کہ کل اور کچھ ہو نہ ہو اس ٹارگٹ کو حاصل کرو اور انعام لو۔ تو مسلمانوں کے جو جاسوس وہاں تھے خبریں لا رہے تھے، انہوں نے آکر امیرِ لشکر کو بتا دیا کہ جناب یہ اعلان ہو چکا ہے، کل جب مقابلہ ہونا ہے اور کچھ ہو نہ ہو لوگ آپ کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اب انہوں نے اس کو کاؤنٹر تو کرنا ہی تھا، چنانچہ انہوں نے بھی اعلان کروا دیا کہ جو مسلمان کافروں کے امیر کا سر لائے گا میں بھی اس کو ایک لاکھ دینار انعام میں دوں گا۔ دونوں طرف سے اعلان ہو گیا۔ اللہ کی شان مقابلہ ہوا، ایک مسلمان صحابی نے اس سرغنے کو قتل کر دیا اور اس کے قتل ہونے سے پوری قوم جو تھی ہتھیار ڈال کر ہمیشہ کے لیے مسلمان بن گئی۔ پھر اس کے

بعد ان کے ساتھ کبھی ٹکراؤ نہ ہوا تو مسئلہ حل ہو گیا، مال غنیمت بھی بڑا ملا۔ جب مال غنیمت کو تقسیم کرنے کا وقت آیا تو وہ جنہوں نے دشمن کے سرغنے کو ختم کیا تھا وہ آگئے، کہنے لگے کہ جناب اعلان ہوا تھا، اب ایک لاکھ دینار کا میں حق دار بنتا ہوں۔ امیرِ لشکر نے کہا: ہاں بھئی! مال غنیمت میں سے ایک لاکھ دینار دے دو! باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ جناب! مالِ غنیمت میں تو سب کا حق ہوتا ہے، آپ تو نہیں دے سکتے۔ اب ایک فقہی مسئلہ وہاں پیدا ہو گیا، امیر کہتے تھے کہ میری تو بڑی اتنی نہیں کہ میں ایک ہزار دینار بھی دے سکوں، میں نے تو مسئلے کو حل کرنے کی خاطر فتح کی خاطر اور اس کا جو کر تھا اس کو کاونٹر کرنے کی خاطر میں نے یہ بات کروائی تھی اور میری بات ٹھیک بھی نکلی کہ مسئلہ حل ہو گیا۔ لہٰذا میں تو مالِ غنیمت میں سے دوں گا، دوسرے صحابہ کہتے تھے کہ آپ اکیلے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے جب تک غنیمت میں جتنوں کا حق ہے سارے آمادہ نہ ہو جائیں۔ اب ایک فقہی مسئلہ چل پڑا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ معاملہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ حضرت مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن یہ فقہی مسئلہ ہے، اب بتائیں! ہم مال کو سب میں برابر تقسیم کریں یا ایک لاکھ اس بندے کو انعام ادا کریں۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کتنا خوبصورت فیصلہ کیا! انہوں نے اس صحابی کو کہا کہ دیکھو! اس میں سب کا حق ہے لہٰذا تم اکیلے اس میں سے ایک لاکھ دینار اس کو نہیں دے سکتے۔ اس نے کہا: جی میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا کوئی بات نہیں میں نے تمہیں لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا میں تمہیں اپنی طرف سے ایک لاکھ دینار ہدیہ دے دیتا ہوں۔ اس سے خوبصورت حل دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا، لیڈر شپ کے لیے فیصلہ کرنا ہوتا ہے، اتنا خوبصورت فیصلہ کیا، ایثار کی انتہاء کر دی۔ میں ایک لاکھ ہدیہ دے دیتا ہوں، تم ادا کر دو، مسئلہ حل ہو جائے گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسئلہ حل کر دیا مؤرخین نے پورے واقعے کی بجائے اتنی بات

لکھی کر اپنے واقف رشتے داروں میں بڑی بڑی رقم ہدیہ کرتے تھے۔ ہم ان کو تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں، او عقل کے اندھو! کاش ان کو قرآن اور حدیث کے آئینے میں دیکھتے تب ان کی حقیقت کو سمجھتے۔

دورِ علوی رضی اللہ عنہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جو دور تھا اس میں بتلایا گیا کہ دیکھو! قتال بھی اگر ہو جائے تو اپنوں میں محبت برقرار رکھنا۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کا حال دیکھیے! حدیث مبارک میں اللہ کے نبی فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں جو بڑی جماعتیں ہوں گی لڑ پڑیں گی۔ اب یہ لڑنا بھی ہمارے لیے باعث رحمت بن گیا۔ وہ کیسے؟ ذرا غور کریں! قرآن اللہ کے نبی پر اترا آیا لیکن کچھ باتیں ایسی تھیں کہ جن کی مثالیں اللہ کے نبی کے زمانے میں ہونا مناسب نہیں تھیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کی آیت ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾

(الحجرات:۹)

''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کروا دو''

اگر یہ واقعہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آتا تو آج کافر اللہ کے نبی پر تہمت لگاتے کہ کیسے معلم بن کر آئے تھے کہ ان کے سامنے ان کے شاگردوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا؟ اللہ نے اپنے نبی کو عیب سے پاک کیا۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچ گیا لیکن اس کی مثال یہ کہ آپ جب پردہ کر جائیں گے میں پیچھے حالات ایسے بنا دوں گا غلط فہمی کی وجہ سے فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ ہوں گی، آنے والوں کو سبق مل جائے گا کہ ہم نے آپس میں قتال کی صورت میں محبتیں کیسے برقرار رکھنی ہیں؟

نتیجہ کیا نکلا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک ان کا حامی آیا اور آ کر کہا کہ میں زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے سنا کہ زبیر کو قتل کرنے والا جہنمی ہوگا۔ حامی ہے، اپنا ہے، آ کر کہتا ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ زبیر کا قاتل جہنمی ہے۔

طلحہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، شہید ہو گئے، ان کی لاش دیکھی، ان کی انگلیوں سے پہچانا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ اٹھا کے ان کی انگلیوں کو بوسا دیا کہ انہوں نے میرے آقا ﷺ کا احد کے اندر دفاع کیا تھا۔ اگرچہ غلط فہمی کی وجہ سے قتال ہوا مگر محبتیں پھر بھی سلامت رہیں۔

مشاجراتِ صحابہ میں امت کیلیے سبق

امام محمد رحمہ اللہ جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شاگرد رشید ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ جو مشاجرات صحابہ ہیں ہمارے لیے رحمت ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو ہمیں حالتِ جنگ میں کیا کرنا چاہیے، یہ مسائل کہاں سے سیکھتے؟

اب امت کو سبق مل گیا کہ یوں ہو تو یہ کرنا چاہیے اور یوں ہو تو یہ کرنا چاہیے۔ اس لیے اگرچہ وہ آپس میں ٹکرائے اللہ نے ٹکرا دیا، ہماری نظر میں ادھر کے بھی صحابی کامیاب اور ادھر کے صحابی بھی کامیاب۔ ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ صاف ستھرا عقیدہ یہ ہے کہ

صحابہ باہم جنگ بھی کریں تو وہ سعید ہیں
ادھر کے بھی شہید ہیں، ادھر کے بھی شہید ہیں

اس لیے کہ ہم ان کو قرآن اور حدیث کے آئینے میں دیکھتے ہیں، یہ وہ ہستیاں

تھیں کہ اللہ نے قرآن نے فرمادیا: ﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾۔ اب ذرا اور دیکھیے! کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک دوسرے کے ساتھ آمنے سامنے آگئے مگر امت کو سبق مل گیا کہ تم نے کرنا کیا ہے؟

حزب اقتدار اور حزب اختلاف کیلیے سبق:

اب ذرا ایک ملک کے سٹرکچر کو سامنے رکھیں کہ ملک میں کیا ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے حزب اقتدار تو بھئی تم اگر حزب اقتدار میں ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھو کہ انہوں نے کیا کیا۔ اور ایک ہوتا ہے حزب اختلاف، یہ اگر دیکھنا ہے تو دیکھو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کو، انہوں نے کیا کیا؟ یہ حزب اقتدار ہیں اور وہ حزب اختلاف ہیں۔ تو امت کے سامنے ایک مثال آگئی۔

ریسرچ سکالرز کیلیے سبق:

اب ایسے میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو سائنس دان ہوتے ہیں، ریسرچ سکالر ہوتے ہیں۔ ان کا کام یہ نہیں ہوتا، اقتدار اور اختلاف میں الجھنا، وہ ریسرچ ورک کرنے والے ہوتے ہیں، ان کے لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ وہ گھروں میں رہیں، علم میں مشغول رہیں۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھو اس حالت میں انہوں نے کیا کیا؟ گھر کے اندر رہے۔ تو بتا دیا کہ جو ریسرچ سکالر ہوتے ہیں، جن کا علم سے تعلق ہوتا ہے، جن کو ان باتوں کا علم نہیں ہوتا ان کو ضرورت نہیں کہ وہ ان حالات میں الجھتے پھریں، پرسکون ہو کر ایک طرف رہیں۔ اپنی علمی ریسرچ کا کام کرتے رہیں۔

قوم کے بڑوں کیلیے سبق:

کچھ ہوتے ہیں قوم کے بڑے، ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ کبھی ایسے جو الجھ

پڑے ہیں تو تم ان کے درمیان صلح کروا دو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین، انہوں نے بھی اس ضرورت کو دیکھتے ہوئے Step لیا (قدم اٹھایا) تھا کہ میں جاتی ہوں اور دونوں میں صلح کروا دیتی ہوں۔ تو جو قوم کے بڑے ہوتے ہیں، ان کو صلح کروانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

علماو معززین کے لیے سبق:

پھر آگے دیکھیے! کچھ لوگ ہوتے ہیں کہ جو معززین ہوتے ہیں، علم والے ہوتے ہیں، ان کو دونوں طرف اپنا رویہ ٹھیک رکھنا چاہیے، کسی پارٹی میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ علما کے بارے میں علامہ شامی نے فتویٰ لکھا کہ کوشش کرنی چاہیے کہ عدالت میں گواہی کے لیے پیش نہ ہوں، کیوں کہ ایک گروپ کے حق میں جائیں گے اور دوسرے گروپ والے مخالفین ان کے فیض سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔ تو حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سید المحدثین کے بارے میں حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مولوی قسم کے صحابی تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کون تھے؟ مولوی قسم کے صحابی تھے۔ ان کا دونوں کے ساتھ تعلق تھا۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھتے تھے اور کھانا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر کھاتے تھے۔ تو بتایا دیکھو! اگر تم اس کیٹیگری کے بندے ہو تو پھر تمہیں دونوں کے ساتھ کیسے بنا کے رکھنی چاہیے کہ پھر دونوں تم سے فائدہ لیتے رہیں، تعلیم پاتے رہیں۔

قومی مفادات کے معاملے میں سبق:

اور پھر حزب اقتدار اور اختلاف دونوں کو ایک بات سمجھائی کہ دیکھو تم کچھ مسائل

میں ایک دوسرے سے الجھ تو پڑے ہو لیکن جہاں (National Benefit) قومی مفاد آجائے، سرحد کا کوئی مسئلہ آجائے تو تم کو ایک ہو جانا چاہیے۔اس کی مثال یہ کہ ایک عیسائی نے امیر معاویہ کو خط لکھا اور کہا: ہمیں پتہ چلا ہے آپ کو آپ کا مقام نہیں دیا جارہا، آپ ہمارے پاس آجائیں، ہم آپ کو آپ کا مقام دیں گے۔اس خط کو پڑھ کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا جواب دیا سمجھا دیا کہ نیشنل بینی فٹ کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: اور روی کتے! یہ تو بھائیوں کا معاملہ ہے، اگر تم نے میلی آنکھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا تو امیر معاویہ ان کی فوج کا سپاہی بن کر سب سے پہلے تم سے قتال کرے گا۔تو معلوم ہوا کہ صحابہ کی زندگی تعلیم ہی تعلیم ہے۔ ہمارے لیے ان کا امن سے رہنا بھی تعلیم، ان کا آپس میں الجھ جانا بھی تعلیم ہے۔ اللہ نے ہمارے لیے مثالیں قائم کر دیں، ورنہ تو لوگ کہتے: اسلام ناقص ہے، امن کے زمانے کی باتیں سکھاتا ہے، جنگ کے زمانے کی تو مثالیں ہی نہیں بتاتا۔ اللہ نے کامل دین بنا دیا، تو معلوم ہوا کہ ہمیں سبق ہی سبق سکھایا گیا۔ لہٰذا صحابہ کا جو دور ہے، خلفائے راشدین کا دور، وہ ہماری زندگیوں کے لیے ایک روشن مثال کی مانند ہے۔

مزاجِ شریعت اور حدودِ شریعت:

اب ایک بات اور سمجھیں، علمی نکتہ ہے۔ ایک ہوتا ہے مزاجِ شریعت اور ایک ہوتا ہے حدودِ شریعت۔ مزاجِ شریعت کا نام تقویٰ اور حدودِ شریعت کا نام فتویٰ ہے۔ اگر تم مزاجِ شریعت کو سیکھنا چاہتے ہو تو صدیقی اور فاروقی دور کو دیکھیے، تقویٰ کی مثالیں نظر آئیں گی اور اگر حدودِ شریعت کو سیکھنا چاہتے ہو تو پھر عثمانی اور علوی دور کو دیکھ لیجیے تمہیں پتہ چل جائے گا کہاں تک بردباری کی حدود جاتی ہیں۔حدودِ شریعت کا

پتہ چل جائے گا۔

علما اور دعوتِ دین:

علما کا کام ہے دین کی دعوت زندگی بھر دینا، لہٰذا آپ نے مدارس سے علم تو حاصل کر لیا، اب اپنے آپ کو تیار کرنا ہے کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کے دین کے کام کرنا ہے۔ یہ جو علما درسِ قرآن دیتے ہیں، درسِ حدیث دیتے ہیں، یہ دین کی دعوت کا کام ہی ہے۔ دعوت کی کئی ساری شکلیں ہیں، آج کے زمانے میں ایک دعوت وتبلیغ کے نام سے کام ہو رہا ہے یہ آج کے دور میں بہترین شکل ہے، مگر دعوت کے کام کو اس میں مقید نہیں کر سکتے۔ جو علما جمعہ میں نصیحت کرتے ہیں، جو صبح میں درسِ قرآن دیتے ہیں، جو شام کو درسِ حدیث دیتے ہیں، یہ بھی دعوت کا کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے تشریف لانے سے پہلے تک امت کو کیسے ہدایت ملی؟ وہ اسی تعلیم وتعلم کے ذریعے سے ملی، انہی خانقاہوں کے ذریعے سے ملی۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے نا امت میں سینکڑوں سال، درمیان میں کوئی ہدایت کا کام ہوا ہی نہیں۔ اس لیے جو علما دین کا کام کرتے ہیں، وہ بھی دعوت کا کام ہے۔ ہاں نیت پہ منحصر ہے، اگر تو وہ تقریر کر رہے ہیں، لوگوں پہ علم کی دھونس بٹھانے کے لیے تو یہ تقریر جہنم میں جانے کا سبب بنے گی اور اگر دل میں درد ہے، نبی کی امت کا غم ہے کہ اس محلے کے سارے لوگ نمازی بن جائیں، محلے کے تمام گھروں سے فحش آلات ختم ہو جائیں، موسیقی کے آلات ختم ہو جائیں، سارے گھروں میں اللہ کے نبی کی سنتیں زندہ ہو جائیں، اس نیت سے اگر آپ درس دیتے ہیں تو آپ کا درس دین کی دعوت کا کام ہے۔

دعوت دین کے مراحل

اس دین کی دعوت کے چار مراحل ہیں۔ انفرادی طور پر کوئی دعوت دے یا اجتماعی طور پر یہ چار مرحلے آتے ہیں۔ یہ ایک ترتیب ہے اس کو ذرا سن لیجیے۔ چونکہ آپ علما ہیں اور آپ نے ہی آگے عوام کو زندگی میں رہنمائی دینی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ﴾
(یوسف:۱۰۸)

’’کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ اور میرے پیروکاروں کا بھی‘‘

تو آپ نبی ﷺ کے علوم کے وارث ہیں، یہ کام ہے آپ کا، لہٰذا اس دین کی دعوت کے مراحل کو سیکھنا ضروری ہے۔ دنیا میں جہاں بھی دین کا کام ہوگا یہ چار مرحلے ہوں گے۔ یہ پکی اور طے شدہ بات ہے۔

پہلا مرحلہ...... وجودِ دعوت

سب سے پہلا مرحلہ کہ آپ دین کی دعوت دیں گے۔

......بے عمل کو عمل کی طرف

......فاسق کو نیکی طرف

......کافر کو اسلام کی طرف۔

یہ سب دعوت ہے۔ تو سب سے پہلے قدم پر کیا کرنے پڑے گا؟ دعوت دینی پڑے گی۔ تو دل میں غم لے کر دین کا درد لے کر دکھ کے ساتھ بات کہیں، شفقت ہو

لہجے کے اندر، حاکمانہ رنگ نہ ہو، تم سب جہنمی ہو، تم سب جاہل ہو، نہ نہ! یہ زیب نہیں دیتا۔ دعوت دینے والا اس ڈھنگ سے دعوت دے کہ اپنے آپ کو اس جماعت کا حصہ سمجھے کہ میں بھی تو اس جماعت کا حصہ ہوں۔ اور اس کی دلیل نبی ﷺ کے عمل سے ملتی ہے۔ بدر کی رات اللہ کے نبی ﷺ نے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ))

"اے اللہ! اگر ایمان والوں کی یہ جماعت ختم ہو گئی، قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

تو محدثین نے اس کی شرح لکھی کہ یہ کیسی بات تھی۔ بھئی! کہ یہ تین سو تیرہ ختم ہو جاتے تو قیامت تک اللہ کی عبادت ہی نہ ہوتی۔ انہوں جواب لکھا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے آپ کو اس جماعت میں شامل کر کے یہ فرمایا۔ اور اگر نبی ﷺ شامل ہیں اور پھر وہ جماعت ختم ہو جاتی تو پھر قیامت تک رب کی عبادت نہ ہوتی۔ تو اپنے آپ کو اس جماعت کا ایک حصہ سمجھ کر بات کریں تو پھر درد ہوگا، محبت ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا انداز:

اب دیکھیں! محبت کا عالم دیکھیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو دعوت دیتے ہیں: یا ابتی! اے میرے ابا جان! ابتی کا لفظ بتا رہا ہے کہ محبت ہے دل کے اندر، خلوص ہے۔ آج باپ بیٹے سے ذرا ناراض ہوتا تو بیوی سے کہتا ہے کہ اس کو کہو کہ سیدھا ہو جائے، یہ نہیں کہتا کہ میرے پیارے بیٹے سیدھے ہو جاؤ۔ غصے میں کہتا ہے: اس کو کہو کہ سیدھا ہو جائے، انداز تخاطب بدل جاتا ہے۔ تو یہاں انداز تخاطب محبت والا ہے "یا ابتی" "اے میرے ابا جان" کتنی عاجزی کے ساتھ! کتنی محبت کے ساتھ احساس ہمدردی کو جتاتے ہوئے فرماتے ہیں: یا ابتی! اے میرے ابا جان!

ان بتوں کی کیوں پوجا کرتے ہو؟ اور آگے سے باپ کا رویہ دیکھو!

﴿لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا﴾ (مریم: ۴۶)

''تمہیں سنگسار کردوں گا، مجھ سے دور ہو جاؤ''

سنگسار کردیں گے، نکال دیں گے یہاں سے۔ جب تسلی ہوگئی کہ اب یہ اس ضد کے اوپر جم چکے اور یہ مجھے یہاں نہیں ٹکنے دیں گے تو جاتے جاتے بددعا نہیں کر رہے۔ بلکہ فرمایا:

﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾ (مریم: ۴۷)

''کہا کہ تیری سلامتی رہے میں آپ کے لیے اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا''

ابا جان آپ کی ہدایت کے لیے کوشش میں کر چکا، اب میں اپنے اللہ سے دعا کروں گا۔ داعی کے اندر یہ شفقت ہو تو پھر دیکھو کیسے محلے ٹھیک ہوتے ہیں؟ کیسے شہر ٹھیک ہوتے ہیں؟ اللہ کے نبی ﷺ کے پیغام میں اتنی طاقت اور قوت ہے۔

از دل خیزد بر دل ریزد

''دل سے نکلتا ہے دل پہ جا کے پڑتا ہے۔''

اپنا محاسبہ:

ہم اپنی نیتوں کو پہچانیں کہ ہماری تقریر کی نیت کیا ہوتی ہے؟ کیا یہ نیت ہوتی ہے کہ لوگ ہم سے متاثر ہو جائیں یا یہ نیت ہوتی ہے کہ مسجد کے صدر صاحب ہمیں نوکری پر بحال رکھیں، مطمئن رہیں۔ یا یہ نیت ہوتی ہے کہ آج دو سو جمعہ میں تھے تقریر سن کے تین سو جمعہ میں آجائیں، تو میرا کام پکا۔ جب دین کا درد ہوگا تو اس کا اثر پڑے گا۔ پہلا مرحلہ دین کی دعوت درد کے ساتھ۔

دوسرا مرحلہ......وقفۂ تربیت

جب بھی دین کی دعوت دی جائے گی تو ایک وقفہ ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ داعی کی تربیت فرمائیں گے۔ ذرا ٹھوک بجا کر دیکھیں گے کہ یہ عمل کا پکا، زبان کا سچا ہے، یا صرف زبان سے بات نکلی ہے۔ جیسے ہی دعوت دیں گے آپ کے اپنے اوپر حالات آئیں گے۔ اب لوگ آکر کہتے ہیں کہ حضرت! کوشش تو کرتے ہیں مگر حالات ہی ٹھیک نہیں ہو رہے۔ تو بھئی وقفۂ تربیت تو ہوتا ہے نا۔ یہ تو نہیں کہ آج دستار بندی ہوئی کل سے لوگ مرید بن جائیں گے، شاگرد بن جائیں گے۔ وقفہ تربیت ہر کسی کے اوپر آتا ہے، نبی دور ہر کسی کے اوپر آتا ہے۔ یہ اس دعوت کے راستے کا لازمہ ہے۔ اس وقت میں صبر کے ساتھ شریعت وسنت کے مطابق آپ زندگی گزارتے رہیں۔ آپ دین کی دعوت کا کام کریں گے، حاسدین پیدا ہو جائیں گے، مخالفین پیدا ہو جائیں گے، آپ پریشان ہوں گے کہ جی میں خلوص سے یہ کام کر رہا تھا، پتہ نہیں ان حاسدین کو کیا ہوا؟ بھئی! یہ تو آنے ہیں، یہ مخالفین بننے ہیں، کیسے ہوسکتا ہے کہ تم دین کا کام کرو اور کوئی حسد نہ کرے۔ ہمارے بزرگوں نے فرمایا: اس بندے میں خیر نہیں جس کے حاسد نہیں۔ تو حاسد تو ہوں گے، ایسے موقع پر ادھر سے بات سنی، ادھر سے جواب دیا، یہ غلط معاملہ ہے، خاموشی اختیار کرو۔ اوجی فلاں نے یہ کہا، اچھا جی ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے، آپ داعی نہیں رہیں گے۔ لڑاکا تو بن جائیں گے، داعی نہیں بنیں گے۔ داعی بننے کے لیے صبر کرنا پڑے گا، اِدھر سے محبت ہوگی، اُدھر سے کینہ ہوگا۔ برداشت کرو! اللہ برداشت کو دیکھنا چاہتے ہیں، اس قوت برداشت کو دیکھ کر پھر اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نصرت عطا فرمائیں گے۔ کتنی نصرت

آئی ہے؟ اس کا گراف آپ نے ڈیسائیڈ (فیصلہ) کرنا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دین کی دعوت دو اور پھر مخالفین کے لیے تیار ہو جاؤ کہ مخالفین ہوں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اللہ کے نمائندے (Representative) بن کر کام کریں اور شیطان کا نمائندہ کوئی نہ بنے۔ اس بدبخت کے بھی تو نمائندے بننے والے ہیں۔ ادھر سے آپ نے دین کی دعوت کا آغاز کیا، ادھر سے شیطان نے اس کو بریکیں لگانے کا آغاز کیا۔ اس لیے شکوے نہ کریں، لوگوں کے سامنے جا کر باتیں نہ کریں، غیبت ہوتی ہے، صبر کریں خاموشی اختیار کریں۔ یہ وقفۂ تربیت ہے، یہ وقفۂ تربیت ہے جو ہر ایک کے ساتھ آتا ہے۔

پہلی قوموں کو بھی آزمایا گیا:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ (العنکبوت: ۲۔۳)

''کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیے جائیں گے، اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا۔ (اور ان کو بھی آزمائیں گے) سو اللہ ضرور معلوم کرے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے''

سچے جھوٹے میں فرق تو کریں گے، کچے پکے کا پتہ تو چلائیں گے نا کہ کون کچا کون پکا؟ اس لیے یہ وقفہ تربیت ضروری ہے۔

تیسرا مرحلہ...... اللہ کی مدد و نصرت

تیسرا مرحلہ وہ ہے کہ اللہ کی مدد و نصرت شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ انسان صبر کے ساتھ کام میں لگا رہے اور اللہ کی طرف امید رکھے کہ اللہ ضرور خیر فرمائیں گے۔ بعض دفعہ تو وقفہ یا اتنا لمبا ہوتا ہے کہ بندہ سوچتا ہے کہ بس میں ناکام، میرا کام نہیں چلتا، کوئی میری طرف رجوع نہیں کر رہا، کوئی میری بات ہی نہیں سنتا، اللہ تعالیٰ اس تکتے تک پریشر بڑھاتے رہتے ہیں، پریشر اتنا بڑھتا ہے کہ انسان پریشان ہو کے کہتا ہے:

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

''ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ ہلا دیے گئے حتیٰ کہ پیغمبر اور مومن جو ان کے ساتھ تھے سب کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی''

ساری دنیا سے نگاہیں ہٹ کر رب پر جڑ جاتی ہیں، اللہ اب تو ہی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

''دیکھو! اللہ کی مدد (قریب) آیا چاہتی ہے''

ایک اور آیت مبارکہ قرآن عظیم الشان فرمایا:

﴿حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ (یوسف:۱۱۰)

''حتیٰ کہ پیغمبر جھوٹے پڑ گئے اور وہ خیال کرنے لگے کہ وہ جھوٹے پڑ گئے تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی''

مدد آنے کا وقت ہی وہی ہوتا ہے۔ دیکھیں! پریشر بڑھتا رہتا ہے، بڑھتا

رہتا ہے، آخر لیک ہو جاتا ہے، ایک حد ہے پریشر کی۔ تو ہم نے دین کی دعوت کا کام کیا تو نظامِ قدرت کی وجہ سے پریشر بڑھنے لگا، بڑھنے لگا، اب ہم ہی بے صبری کے ساتھ سوراخ کر دیں تو پریشر تو ختم، مدد کیا آئے گی؟ ہاں آپ صبر کے ساتھ رہیں، پریشر کو بڑھنے دیں، جب ٹرپ پوائنٹ آیا تو پھر کیا ہوگا؟ ﴿جَـآءَهُـمْ نَـصْـرُنَـا﴾ ہماری مدد آئے گی۔

چوتھا مرحلہ..... فیصلۂ قدرت

تو پہلا مرحلہ دعوت کا اور دوسرا وقفہ تربیت کا اور تیسرا مرحلہ اللہ کی مدد اور نصرت کا اور جب اللہ کی مدد اور نصرت آجاتی ہے تو پھر کسی مخالف کی مخالفت سے کچھ نہیں بنتا۔ پھر دشمن کی دشمنی کام نہیں آتی:

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ○﴾ (النصر:۱۔۲)

''جب آچکی اللہ کی مدد، آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا''

فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ فوج در فوج لوگوں کا داخل ہونا، یہ اللہ کی مدد کی بین دلیل ہوتا ہے۔ اب جب فوج در فوج داخل ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ دین کو جما دیتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں فیصلۂ قدرت۔ یہ قدرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جس نے ایمان والوں کو زمین میں جما دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا، قرآن کی آیت سنیے:

﴿هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (التوبہ:۳۳)

’’وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کہ کافر اس سے ناخوش ہوں‘‘

ان کو بھلے اچھا نہ لگے، ہم نے تو اس کو غالب کر کے دکھا دیا۔ پھر اللہ دین کو غالب کر دیتے ہیں، چاہے کافر لوگ اس پر کتنے ہی پریشان کیوں نہ ہوں؟ چنانچہ جس دن یہ آیتیں اتریں۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾

(المائدہ:۳)

’’آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی‘‘

اسی دن یہ آیت اتری، ذرا توجہ سے سنیے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ﴾ (المائدہ:۳)

’’آج کے دن یہ کافر تمہارے دین سے ناامید ہو چکے‘‘

آج کے دن ان کافروں کو یقین ہو گیا کہ یہ مسلمان لوہے کے چنے ہیں ان کو چبانا آسان کام نہیں ہے۔ پھر نتیجہ بتلا دیا

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ (المائدہ:۳)

’’ان سے نہیں ڈرنا، ایک مجھ سے تم نے ڈرنا ہے۔‘‘

یہ چار مرحلے ہیں دین کی دعوت کے سب سے پہلے دین کی دعوت، پھر وجود دعوت پھر اس کے بعد وقتِ تربیت، پھر اس کے بعد اظہارِ نصرت اور چوتھا فیصلہ قدرت جب قدرت فیصلہ کر دیتی ہے، فرماتے ہیں:

﴿وَنُرِیْدُ﴾ ’’ہم نے ارادہ کیا‘‘

کیا شاہانہ خطاب ہے! فرمایا:

﴿وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ

اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ﴾ (القصص:۵)

''ہم نے ارادہ کیا، ہم احسان کریں ان پر جوزمین پر کمزور ہیں اور انہیں امام اور وارث بنائیں''

تو قرآن مجید نے راستہ کھول دیا کہ دیکھو میرے محبوب کے رستے پہ چلنا چاہتے ہو، یہ چار اسٹیشن آئیں گے، ان سے گزر کر تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

قربانی کی اہمیت:

اس لیے دین کے راستے میں قربانی دینی پڑتی ہے، مگر قربانی کا بدلہ ملتا ہے۔ کیسے ملتا ہے؟ ایک دانہ بویا تو ایک دانے نے مٹ کے قربانی دی۔

﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ ''ایک دانے کی مثال''

ایک دانے نے اپنے آپ کو مٹایا تو کتنے دانے ملے؟

﴿اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

''جس سے سات بالیں نکلیں اور ہر ایک بال میں سو دانے ہوں''

ایک دانے کے بدلے سات سو دانے، واہ میرے مولیٰ! آم کی ایک گٹھلی نے قربانی دی اور زمین میں گئی تو اس کے بدلے کیا ملا؟ ایک درخت ملا، جس نے آگے ہزاروں آم دیے۔

﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

''اللہ بڑھاتا ہے جتنا چاہتا ہے''

تو ایک دانے نے قربانی دی تو سات سو دانے ملے، ایک گٹھلی نے قربانی دی پچاس سال میں ہزاروں کے حساب سے آم ملتے رہے۔ سبق دیا، میرے بندو! مادی قربانی پر ہم اتنا اجر دیتے ہیں تم میرے دین کے راستے میں روحانی قربانی دو گے تو ہم

تمہیں کیا کچھ عطا کر دیں گے۔

لہٰذا دین کی دعوت دیجیے! قربانی کی چکی میں پسیے اور دعائیں مانگیے، پھر اللہ کی مدد کو آنکھوں سے دیکھیے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی (Let down) رسوا نہیں ہونے دیتے۔

قبولیت کی پانچ صورتیں

اس لیے ایمان والوں کی دعائیں جلدی قبول ہوتی ہیں، دین کے راستے میں۔ دعا قبول ہونے کی پانچ صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

جو مانگا مصلحت کے مطابق تھا، فوراً دے دیا۔ ہم اس کو کہتے ہیں کہ جی یہ بڑا مستجاب الدعوات بندہ تھا۔

دوسری صورت:

جو مانگا مصلحت کے مطابق ہو مگر ذرا دیر سے دینا بہتر ہو، رلا رلا کے دیا۔ دس سال مانگتے رہے: اللہ بیٹا دے دے، بیٹا دے دے، دس سال کے بعد بیٹا ہو گیا۔ اللہ نے دیا مگر رلا رلا کے۔

خوش نما ئید نالۂ شبہائے تو
ذوقہا دارم بہ زاریہائے تو

"رات کے نالے کیا خوب ہیں کہ مجھے آہ وزاری کا ذوق دیا ہے"

رونا اللہ کو اچھا لگتا ہے، رونے دیتے ہیں پھر دے دیتے ہیں، یہ دوسری صورت۔

تیسری صورت:

جو مانگا وہ خلاف مصلحت تھا لہذا دیا وہ جو مصلحت کے مطابق تھا۔ مثال قرآن عظیم الشان میں ہے: عمران کی بیوی نے مانگا بیٹا اور دی اس کو بیٹی۔

﴿ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ﴾ (آل عمران:۳۶)

مگر فرمایا کہ تمہیں بیٹی تو دی مگر بیٹی وہ جو نبی کی ماں بنے گی، لہٰذا ہم وہ کام کریں گے جو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

چوتھی صورت:

مانگا مگر دنیا میں اس کا بدلہ دینا مناسب نہ تھا لہذا اس کے بدلے اس سے کوئی مصیبت ٹال دی۔

پانچویں صورت:

اور پانچویں صورت کہ مانگا اور دنیا میں نہ دیا تو آخرت میں بلا کر اجر دیں گے۔ حدیث پاک میں ہے، اتنا دیں گے کہ وہ بندہ کہے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی بھی دعا قبول نہ ہوتی، ہر دعا کا بدلہ مجھے آخرت میں دیا جاتا۔ تو دعا تو قبول ہوتی ہی ہے، پانچ میں سے کوئی نہ کوئی صورت بنے گی، تسلی رکھیں، یہ کیوں کہتے ہیں کہ اللہ ہماری سنتا ہی نہیں۔ اس کو کہنے سے اللہ ناراض ہوتے ہیں، یہ کبھی بھی نہیں کہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ دے کے خوش ہوتے ہیں اور اتنا دینے والا تو کوئی ہے ہی نہیں۔

دنیا کی نوکری کرنے والو! فیکٹری کا مالک کیا دیتا ہے؟ دو ہزار، دس ہزار، بیس ہزار، پچاس ہزار، اتنا ہی دیتا ہے نا! تو منیجر سے فائدہ اٹھاتا ہے لاکھوں کا اور تنخواہ دیتا ہے ہزاروں میں، یہ دنیا کے مالک کا دستور۔ دنیا کے مالک نے فائدہ تو لیا لاکھوں میں اور تنخواہ دی ہزاروں میں۔ سنیے! اس رب کریم کی نوکری، اللہ تعالیٰ مالداروں کو

مال دیتا ہے کہ میرے غریب بندوں تک ڈھائی پرسنٹ تک پہنچا دینا، ساڑھے ستانوے پرسنٹ میں نے تمہاری تنخواہ متعین کر دی ہے۔ مالداروں کو زکوۃ دینی پڑتی ہے، ڈھائی فیصد اور اپنا ہوتا ہے ساڑھے ستانوے فیصد۔ کوئی ہے مالک اتنی تنخواہ دینے والا؟ اللہ تو بہت بڑا ہے، تصور نہیں کر سکتے دنیا کا کوئی مالک اڑھائی پرسنٹ کٹوانے کے لیے ساڑھے ستانوے پرسنٹ تنخواہ دے۔ تو اللہ تعالیٰ تو دے کر خوش ہوتے ہیں مگر نظر کے خلاف کرواتے ہیں تاکہ مشاہدہ نہ ہو اور بندے کے ایمان کا پتہ چل جائے۔

مشاہدے اور ایمان کا فرق:

ایک ہے مشاہدہ یعنی آنکھوں سے دیکھنا، ایک ہے ایمان یعنی اللہ پہ یقین کرنا۔ اللہ تعالیٰ بندے کے یقین اور ایمان پر دیتے ہیں۔ اس لیے دین کے کتنے ہی احکام ہیں جو ظاہر کے خلاف ہیں۔ مثلاً

ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ سود سے مال بڑھتا ہے، شریعت کہتی ہے کہ سود سے مال گھٹتا ہے۔ انسان برباد ہو جاتا ہے، اللہ سے جنگ ہوتی ہے، تو آنکھ نے دیکھا کہ مال بڑھا اور اللہ نے کیا فرمایا؟ مال بڑھ نہیں رہا۔ ہم نے اپنی زندگی میں سود کی وجہ سے ہزاروں بندوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے۔ دو چار کی بات نہیں، سو دو سو کی بات نہیں بلکہ ملین لوگ جنہوں نے سود میں ہاتھ ڈالا یا پہلی پشت تباہ ہو گئی ورنہ دوسری پشت کا تو بالکل دیوالیہ نکل گیا۔ تو سود کا انجام بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

صدقہ اور زکوۃ دینے میں فرمایا کہ تمہیں ظاہر میں مال گھٹتا نظر آتا ہے جب کہ حقیقت میں تمہارا مال بڑھتا ہے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے قسم اٹھا کر یہ کہا کہ صدقہ سے مال بڑھتا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک بات فرما دینا ویسے ہی بہت تھا کہ سچی زبان سے

بات نکلی، صادق اور امین کی کہی ہوئی بات ہے۔ اہمیت بتانے کے لیے اللہ کے نبی ﷺ نے حدیث پاک میں قسم کھا کر فرمایا کہ صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے۔ ظاہر کے خلاف لگ رہا ہوتا ہے کہ میں تو ایک لاکھ روپے لگا رہا ہوں دین کے اوپر تو مال گھٹ گیا۔ اللہ کے نبی ﷺ قسم کھا کر فرماتے ہیں تیرا مال بڑھ کر رہے گا۔ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔

پھر آگے دیکھیے قصاص میں بظاہر لگتا ہے کہ جان جائے گی، جب کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (البقرۃ:۱۷۹)

"عقل والو! اس میں تمہارے لیے زندگی ہے۔"

تیمم میں ظاہری طور پر انسان دیکھتا ہے کہ پانی نہیں مٹی کو ہاتھ لگا دیے تو ہاتھ آلودہ ہو جائیں گے، شریعت کہتی ہے کہ تم مٹی کو ہاتھ لگا کے تیمم کر کے پاک ہو رہے ہو۔ مشاہدے کے خلاف کروایا۔

تو مومن اس کو کہتے ہیں جو مشاہدے کے خلاف بھی کر گزرتا ہے، ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔ اب یہ نہیں کہ ہمیشہ مشاہدے کے خلاف ہو، کبھی مخالف بھی ہوگا اور کبھی موافق بھی۔ تو فرمایا تم نفع کے بندے مت بنو کہ مال کے پیچھے رال ٹپکاتے پھرو، تم خدا کے بندے بنو۔ نفع ملا تب بھی ٹھیک نہ ملا تب بھی ٹھیک۔ ہم تو اللہ کے بندے ہیں، ہم تو کام وہ کریں گے جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوگا۔ اب دیکھیے بارش کی ضرورت ہے فرمایا: نماز پڑھو! اب نماز اور بارش میں مشاہدے میں جوڑ تو نظر نہیں آتا ہے لیکن فرمایا کہ نمازِ استسقاء ادا کرو گے ہم بارش عطا کر دیں گے، استغفار کرو گے ہم بارش عطا کر دیں گے۔ ظاہر کے خلاف کرواتے ہیں۔

داعی کا رزق اللہ کے ذمے ہے:

ایک عجیب بات! آج اکثر دوست رزق کی طرف سے پریشان ہیں یا تو کہتے ہیں کہ رزق تھوڑا ہے یا کہتے ہیں کہ رزق میں برکت نہیں۔ تو سنیے: رزق بھی ملے گا رزق کی برکت بھی ملے گی۔ اس کے لیے نہ تعویذ لینے کی ضرورت، نہ کسی عامل کے پاس جانے کی ضرورت، نہ کسی کے چکر لگانے کی ضرورت۔ قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا، فرمایا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ (طٰہٰ:۱۳۲)

''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے، ہم تم سے رزق کموانا نہیں چاہتے، رزق تمہیں ہم دیں گے۔''

جس گھر کے سارے بندے نماز کی تکبیر اولیٰ کی پابندی اور دھیان کے ساتھ نماز پڑھنے کی مشق کرنے والے ہوں گے، ان کو رزق ملنے کی قسم میں کھاتا ہوں۔ قسم اٹھا کے کہتا ہوں کہ ان کو رزق ملے گا، یہ اللہ کی بات ہے، قرآن کی بات ہے، رونگ ہے میرے اللہ پاک کی۔ کہاں تعویذوں کے پیچھے پھرتے ہو؟ کہاں عملیات کے پیچھے؟ کہ فلاں نے جی میرا کاروبار بند کر دیا، کیوں کسی کو چھوٹا رب بناتے ہو؟ اللہ دینا چاہے وہ روک نہیں سکتا، نہ دینا چاہے دے نہیں سکتا۔ ایمان کھری چیز ہے، فرمایا:

﴿لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾

رزق ہم تمہیں دیں گے، گھر والوں کو نماز کا حکم تو کر کے دیکھیں۔ لہٰذا جس گھر کے سارے بندے نماز باقاعدگی سے پڑھتے ہوں، ٹھونگیں نہ ماریں، حضوری کے ساتھ پاکیزگی کے ساتھ نماز کو سارے لوگ ادا کریں، اللہ فرماتے ہیں رزق دینے کا

ذمہ میں لیتا ہوں۔

یہ بات یاد رکھنا! جب تک زندگی میں گناہ رہے گا، پریشانی باقی رہے گی، بھلے ہم دعا کرتے بھی رہیں کرواتے بھی رہیں، جب تک زندگی میں گناہ رہے گا پریشانی باقی رہے گی۔ بھلے ہم دعاؤں میں روتے بھی رہیں کوئی ہمارے لیے رو رو کے دعا بھی کرتا رہے، قانونِ قدرت کو سمجھیے، اس لیے تقویٰ سے رزق میں برکت آتی ہے۔

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الاعراف: ۹۶)

عجیب بات دیکھیے! پرندے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں کچھ جمع نہیں کیا ہوتا، شام کو گھر لوٹتے ہیں تو پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے اور انسان صاحب کا مسئلہ دیکھو کہ صبح پیٹ بھر کے گھر سے نکلتا ہے شام گھر آتا ہے پیٹ خالی ہوتا ہے۔ بیوی کو کہتا ہے جلدی روٹی پکا بھوک لگی ہے۔ اور پیٹ ہے کتنا بڑا دو روٹی کے بقدر، اتنا چھوٹا کہ دو روٹی سے بھر جاتا ہے، تیسری کھا نہیں سکتا۔ ادھر ہاتھی کو دیکھو کہ ٹنوں کے حساب سے چارا کھاتا ہے، مچھلیوں کو دیکھو! وہیل مچھلیوں کو دیکھو! ٹنوں کے حساب سے۔ جو ٹنوں کے حساب سے رزق کھانے والے ہیں انہیں خدا روز دیتا ہے، دو روٹی سے پیٹ بھرنے والے! تجھے رزق کی پریشانی اللہ کی عبادت ہی نہیں کرنے دیتی۔ ہم کتنے پاگل ہیں! اس کے پیچھے اللہ کی عبادت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، حالانکہ اسی سے ہمیں رزق ملنا تھا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ گناہ چھوڑیں اور اللہ رب العزت کی سرپرستی میں آجائیں۔

جس نے گناہ کو چھوڑا اللہ نے زمین میں جما دیا۔ اس لیے خانقاہوں کو دیکھو! جن خانقاہوں میں گناہ ختم ہو گیا، پشتوں میں فیض چلتا رہا اور جن خانقاہوں میں کام کرنے والے آنکھیں بند کر کے چلے گئے اور پیچھے والے من مرضی کی زندگی گزارتے

رہے، اللہ نے دین کا کام مٹا دیا، سنیے قرآن عظیم الشان:

﴿وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ﴾ (ابراہیم:۱۴)

''اور ان کے بعد تم کو زمین میں آباد کریں گے، یہ اس شخص کے لیے ہے جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے، اور میرے عذاب سے خوف کھائے''

جو ہمارے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والے تھے ہم نے پھر ان کو زمین میں آکر بسا دیا۔ کیسے مسجدیں آباد ہوتی ہیں؟ کیسے خانقاہیں آباد ہوتی ہیں؟ گناہوں کو چھوڑنے سے آباد ہوتی ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی آباد کرتا ہے۔ اور انہی کو اللہ جنت میں بھی آباد کرتا ہے۔

جنت پاکیزہ لوگوں کے لیے ہے:

جنت پاکیزہ لوگوں کی جگہ ہے جو گناہوں سے پاک ہیں۔ اس لیے فرمایا:

﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ (زمر:۷۳)

''تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے، اب ہمیشہ کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ''

فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ﴾

''جو پاک ہوا'' اس کا بدلہ جنت کے اندر۔

﴿مَسَاكِنَ طَيِّبَةً﴾

''پاکیزہ ٹھکانہ'' جنت اندر۔

﴿أَزْوَاجًا مُطَهَّرَةً﴾

''پاکیزہ بیویاں'' جنت کے اندر۔

﴿ شَرَابًا طَهُورًا ﴾

''پاکیزہ شراب'' جنت کے اندر۔

معلوم ہوا کہ جنت پاکیزہ لوگوں کی جگہ ہے، پاکیزہ چیزیں ان کو ملیں گی۔ جنت میں جانا چاہتے ہیں تو گناہوں سے پاک ہونا پڑے گا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا میں ضروریات کو پورا کریں، فضولیات کو ترک کر دیں، اور سہولیات کو مقصدِ زندگی نہ بنائیں۔ یہ نکتے کی بات ہے ہم دنیا کے اندر کیا کریں؟ ضروریات کو پورا کریں فضولیات کو ترک کر دیں اور سہولیات کو مقصدِ زندگی نہ بنائیں۔ یہاں ٹھوکر کھاتے ہیں سہولیات مقصدِ زندگی بن جاتی ہیں، سواری ایسی تو گھر ایسا، باغ ایسا، کاروبار ایسا، سہولیات مقصد بن جاتی ہیں، ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

چنانچہ ایمانِ کامل کا یہ فائدہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ امن کا وعدہ فرماتے ہیں، عزت کا وعدہ فرماتے ہیں، معیت کا وعدہ فرماتے ہیں، نصرت کا وعدہ فرماتے ہیں، محبوبیت کا وعدہ فرماتے ہیں، فضلِ کبیر کا وعدہ فرماتے ہیں، ان کے لیے جنت کا وعدہ فرماتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت کا لب لباب وقت کی کمی کی وجہ سے اس عاجز نے بتا دیا۔

دعوتِ دین گھر سے شروع کریں:

گھر کے ماحول کا بھی بنانا ضروری ہے، دین کی دعوت تو آپ دیں گے مگر یہی نہیں کہ صرف مسجد کے لوگوں کو، دعوت گھر سے شروع ہوگی۔

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ ﴾ ''اپنے اہلِ خانہ کو نماز کی تلقین کریں''

تو گھر والوں کو بھی دین کی ترغیب دیتے رہیں، ضروری نہیں کہ ڈانٹ ڈپٹ

سے دیں، ہنسی پیار سے ان کو دین کی سنت کی تابعداری کے لیے برانگیختہ کرتے رہیں، اگر گھر کا ماحول نہیں بنے گا تو باہر کا ماحول بھی نہیں بنے گا۔

اب ذرا سنیے کہ گھر کے ماحول بنانے کی ضرورت کتنی ہے؟ لوط کی بیوی اچھے خاوند کی نافرمان نکلی تو قوم کیا بنی وہ بھی نافرمان، نوح کی بیوی خاوند کی نافرمان بنی تو قوم کیا بنی وہ بھی نافرمان اور نبی علیہ السلام کی بیویاں نبی کی فرمانبردار بنیں تو امت کیا بنی؟ فرمانبردار بنی، گھر کا ماحول اتنا ضروری ہے۔

دین عقل سے نہیں نقل سے پھیلتا ہے:

اس لیے دین عقل سے نہیں پھیلتا نبی کی نقل سے پھیلتا ہے۔ اس لیے آج کل کچھ لوگ ہیں، نیا دور ا وہ سمجھتے ہیں کہ سکرینوں پر آئیں گے تو دین پھیلے گا۔ دین عقل سے نہیں پھیلتا، دین نبی کی نقل سے پھیلتا ہے۔

دعوت دین اور حاسدین:

اور یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ اس دین کا کام کریں گے تو پھر کچھ لوگ ساتھ بھی ہو جائیں گے اور کچھ مخالف بھی ہو جائیں گے۔ حاسدین مخالفین بھی پیدا ہو جائیں گے۔ تو پھر اس کا حل کیا؟ اس کا حل یہ کہ اکرام کرنے والوں سے اترا نہ جانا اور مخالفت کرنے والوں سے گھبرا نہ جانا۔ اکرام کرنے والوں سے اترا نہ جانا اور ڈنڈے مارنے والوں سے گھبرا نہ جانا، دعوت کا کام کرنا ہے۔ یہ اصول ہے۔

لہٰذا امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دین بیقراری کا دوسرا نام ہے۔ داعی کو اس دنیا میں قرار نہیں، داعی کا حال یہ ہوتا ہے کہ لوگ چین کی نیند سوتے ہیں وہ مصلے پہ ہاتھ اٹھا کے اللہ کے سامنے آنسو بہا رہے ہوتے ہیں۔

حَتّٰی یَتَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ

’’ اللہ کے حبیب ﷺ کے قدموں پر ورم آ جاتے ہیں ۔‘‘

ہم اگر دین کا کام اس طرح سے کریں گے تو پھر اللہ کی رحمت ہوگی۔

اسلاف کی قربانیوں کی لوری:

ہاں اگر مشکلات پیش آئیں تو اپنے نفس کو اسلاف کی قربانیوں کی لوریاں سناتے رہا کرو۔ یاد کرتے رہو کہ اسلاف نے کیا کیا؟ اکابرین کے ساتھ کیا ہوا؟ علمائے دیوبند کے ساتھ کیا ہوا؟ اپنے نفس کو اسلاف کی قربانیوں کی لوریاں سنائیں، مگر دین کے اوپر پکے رہیں تو اللہ کی مدد آئے گی۔

اب ایک حدیث پاک کا واقعہ سناتے ہیں اور بات کو سمیٹتے ہیں۔ گھڑی بھی سامنے چل رہی ہے، وہ کسی کا انتظار ہی نہیں کرتی، بات سن لیجیے یہ عاجز مختصر عرض کر دے گا، یہ بات کا لب لباب ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے واقعے کا ترتیبی پس منظر:

نبی ﷺ نے جب بھی غزوات کے لیے نکلنا ہوتا تھا تو آپ ﷺ اظہار نہیں فرماتے تھے کہ کہاں جانا ہے؟ کیا کرنا ہے؟ بلکہ جانا مغرب کی طرف ہوتا تھا اور حالات مشرق کے پوچھا کرتے تھے۔ ایک ایسا واقعہ تھا جس میں اللہ کے نبی ﷺ نے پہلے سے بتادیا، وہ تھی جنگ تبوک۔ اور صحابہ کو کہہ دیا کہ اللہ کے راستے میں سفر کرنا ہے اپنا مال لاؤ خرچ کرو۔ اعلان کر دیا، اوپن کر دیا کہ پلان (منصوبہ) کیا ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیاری کی اور اللہ کے راستے میں نکل گئے۔ جب سب لشکر چلا گیا، تو پیچھے کچھ لوگ ایسے تھے جو ایمان والے تھے مگر انہوں نے تیاری کرنے میں

جلدی نہ کی۔ روانگی ہوگئی اور یہ روانہ نہ ہوئے۔ ان میں سے ایک صحابی تھے کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے اپنی سٹوری، اپنا واقعہ خود سنایا اور اس واقعے میں ہمارے لیے بہت ساری باتیں سمجھنے کی ہیں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے تو نبی علیہ السلام نے وہاں پوچھا کہ کعب کہاں ہیں؟ تو کسی نے کہا کہ جی ان کے پاس مال بہت تھا، سہولت تھی، آسانی تھی، بیویاں بھی بہت تھیں، دو تین شادیاں کی ہوئی تھیں، ایک شادی تھی اس وقت ان کو آنے میں ان کے مال نے رکاوٹ پیدا کر دی۔ عیش و آرام ہوتا ہے تو سہولت ہوتی ہے۔ اس وقت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، انہوں نے کہا کہ نہیں میں ان کو جانتا ہوں، وہ بڑے محبت والے، اخلاص والے ہیں کوئی وجہ بن گئی ہوگی۔ تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعد میں جب پتہ چلا تو میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہمیشہ احسان مانا کرتا تھا۔ پہلا سبق کہ اگر مجلس میں کسی کے بارے میں بات ہو اور آپ جانتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں تو تیلی مت لگائیں کہ جیسی بات ہو رہی ہے ویسی بات کر دی، دفاع کریں بھائی کا، غیبت مت کریں۔ ہمارے گھروں میں تو روز کی بات ہے، عورتیں مل بیٹھتی ہیں، شروع کر دی کسی تیسری کی بات۔ تو دیکھو! یہاں پہلا سبق ہمیں کیا ملا کہ جب بھی کسی سامنے کسی کے بارے میں بات ہو تو معاملے کو بگاڑنے کی بجائے معاملے کو سدھارنے کی کوشش کریں۔ یہ صحابہ کا عمل ہے کہ اس صحابی نے فوراً کہا کہ ایسا نہیں کوئی عذر ہو گیا ہوگا۔

چنانچہ نبی علیہ السلام کو پتہ تھا کہ کعب نہیں آئے، کعب فرماتے ہیں کہ میں جب گھر سے باہر نکلتا مجھے مدینہ کے اندر یا تو معذور نظر آتے، یا تو بوڑھے نظر آتے، یا منافقین نظر آتے۔ اس وقت مجھے بھی فیل ہونا شروع ہو گیا کہ میں لیٹ ہو گیا، پھر بھی میری

نیت تھی کہ میں نے جانا ہے۔ میں نے اپنا سب کچھ تیار کر لیا تو اچانک خبر ملی کہ اللہ کے نبی ﷺ واپس آ رہے ہیں، اب میں نے کہا کہ میں تو پیچھے رہ گیا ٹھیک ہے، تشریف لائیں گے تو پھر حاضری دوں گا۔

اب دیکھیے! دوسرا سبق، ہم لوگوں سے کبھی کوئی ایسی بات ہو جائے نا تو اکثر و بیشتر اس موقعے پر جھوٹ بولتے ہیں اور شیطان نے آج کے دور میں لفظوں کو بدل دیا، خوبصورت لفظوں کے ساتھ، تاکہ احساس گناہ نہ رہے۔ چنانچہ آج کے دور میں جھوٹ کا نام بہانہ۔ بیوی کہتی ہے میں نے خاوند کے سامنے بہانہ بنا دیا۔ شاگرد کہتا ہے کہ میں استاد جی کے سامنے بہانہ بنا دیا۔ وہ بہانہ نہیں ہوتا وہ جھوٹ ہوتا ہے سیدھا۔ بہانہ کا لفظ کہنے سے شیطان سمجھتا ہے کہ احساسِ گناہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح آج کل شیطان نے سود کا نام رکھوا دیا منافع تاکہ منافع کا نام لے کر احساسِ گناہ ہی نہ ہو۔ بے حیائی کا نام رکھوا دیا فیشن۔ تاکہ بے حیا لباس پہننے والی یہ محسوس نہ کرے کہ میں بے حیائی کر رہی ہوں۔ فیشن ہے جی! آج کل کہ قمیص کے بازو یہاں تک رکھوانا یہ فیشن ہے۔ شیطان یہ نہیں کہلوائے گا کہ بے حیائی ہے، کیوں؟ بے حیائی کے لفظ سے تو پھر شرمندگی ہوگی۔ غیبت کا نام رکھوا دیا گپ شپ۔ او جی بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے، تبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔ بدبخت شیطان ایسا چکر چلاتا ہے۔ مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ میں ان کو شوگر کوٹڈ زہر کی گولی دوں۔ کبھی کڑوی گولی تو کوئی نہیں کھاتا، میٹھی گولی ہر کوئی کھاتا ہے، تو شیطان نے بھی آج کل کی ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھایا، غیبت کا نام رکھوا دیا تبادلہ خیالات۔ رشوت کا نام اس نے رکھوا دیا چائے پانی۔ او جی چائے پانی تو دینا پڑتا ہے۔ اچھا جی ہمارا چائے پانی، تاکہ رشوت کا لفظ نہ رہے۔ بے غیرتی کا نام اس نے رکھوا دیا روشن خیالی، او جی روشن خیال ہے بیوی ننگے سر ساتھ جا رہی

ہے، بڑا روشن خیال ہے۔ اس بدحالی کا نام رکھوا دیا روشن خیالی۔ اور دین دار کا نام رکھوا دیا بنیاد پرست۔ جو دین پر عمل کرنے والا، نیکی کرنے والا ہے، یہ بنیاد پرست ہے۔ تمہاری بنیاد ہی نہیں تو تمہارے ساتھ اللہ نمٹے، ہماری تو بنیاد ہے، ہم تو دین پر چلیں گے۔

تو نفس نے ذہن میں خیال ڈالا کہ وہاں بھی جا کر بہانہ بنا دینا۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قادر الکلام بندہ تھا، میں ایسا نہیں تھا کہ بات کرنی نہیں آتی، بات کرنی آتی تھی اور عقلاء الرجال بندوں میں سے تھا، مجھے عقل تھی کہ بات کیسے کرنی ہے؟ تو ذہن میں خیال آیا کہ جھوٹ بولوں تو پھر نبی ﷺ جب استغفار کریں گے تو یہ گناہ تو ان کے استغفار سے معاف ہو ہی جائے گا۔ مگر وہ دل نبی ﷺ کی صحبت میں بن گیا تھا چنانچہ دل نے کہا کہ نہیں! یہ جھوٹ ہے، میں اللہ کے نبی ﷺ کو مطمئن کر لوں گا مگر معاملہ اللہ کی ذات کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بتا دیں گے اور میری بد بختی ہوگی۔ اب دیکھیں آسان صورت نظر آ رہی ہے، جھوٹ بول کر نجات پانے کی۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت ایسی تھی کہ ڈٹ گئے کہ دین کے اوپر قائم رہنا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جھوٹ بول کے نجات پا جاؤں گا، یہ مشاہدہ ہے، سچ بولنے میں ظاہر میں پرابلم نظر آتی ہے مگر اللہ کی مدد سچ کے ساتھ ہے۔ یہاں ہماری اور ان کی زندگیوں میں واضح فرق ہے، ہم میں سے جھوٹ بول لیتے ہیں، بہانہ بنا لیتے ہیں۔ ایک کی بات دوسرے کو کر دیتے ہیں، صحابہ کی تربیت دیکھیے، اصول سامنے تھا کہ سچ کے ساتھ اللہ کی مدد ہے، ڈٹ گئے کہ سچ بولنا ہے۔ بھئی! مصیبت میں پھنس جاؤ گے تو اللہ نجات دے گا۔ چنانچہ نبی ﷺ جب تشریف لائے تو منافقین جو تھے انہوں نے تو آ کے خوبصورت عذر اور بہانے بنا دیے اور نبی ﷺ نے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر

دیا، ٹھیک ہے بھئی۔

کعب جب آئے کھری بات کی: اے اللہ کے نبی ﷺ! جتنا امیر میں اس وقت تھا پہلے کبھی نہیں تھا اور جتنی اچھی سواریاں اس وقت تھیں پہلے کبھی نہیں تھیں۔ میری نیت نافرمانی کی نہیں تھی، جس دن آپ چلے تھے میں تیار نہیں تھا، یہ سوچ تھی کہ تیز سواریاں ہیں، چلو ایک دو دن میں تیار ہو کے راستے میں پہنچ جاؤں گا۔ بس آج کل، آج کل ہوتا رہا اور مجھے پتہ چلا کہ آپ واپس آ رہے ہیں، تو میری سستی کے سوا اور کوئی دوسری وجہ نہیں، صاف کہہ دیا۔ سچ بولا، نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا پھر اگر تم نے سچ بولا ہے تو جس کے لیے سچ بولا ہے میں اسی کا انتظار کرتا ہوں۔ فیصلہ بھی وہی فرمائے گا۔ میں نے خاموشی اختیار فرمالی، دو حضرات اور تھے ہلال بن امیہ اور ضرارہ بن ربیع، انہوں نے بھی آکر سچ بات کر دی۔ نبی ﷺ نے تینوں کو فرمایا تم پھر انتظار کرو۔

اب انتظار کرنے لگے تو نبی ﷺ نے پہلا قدم اٹھایا، صحابہ سے فرمادیا کہ ان کے ساتھ بول چال بند کر دو۔ تربیت مل رہی ہے کہ دیکھو تم اگر نفس کی چاہت اور سہولت کی خاطر گھر پر رہو گے اور دین کے لیے کام نہیں آؤ گے۔ تو لوگوں کا تو تعلق دین کے لیے ہے، سب لوگوں کو منع فرمادیا۔

کعب ؓ کہتے ہیں کہ جو بڑے دوسرے دو حضرات تھے وہ تو گھروں میں بیٹھ گئے، میں جوان تھا، چلتا پھرتا تھا، میں نماز پڑھنے بھی آتا اور نماز میں نبی ﷺ کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتا کہ نبی ﷺ دیکھ رہے ہیں کہ نہیں۔ تو محسوس کرتا کہ نبی ﷺ دیکھ رہے ہوتے تھے، جب میں دیکھتا تھا تو اس وقت وہ دوسری طرف منہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ میں دل میں سوچتا، وہ بے رخی سے دیکھتے ہیں، دیکھتے تو ہیں۔ میں

دل کو یہی سمجھ تا کہ وہ بے رخی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں۔ میں مسجد آتا رہا، کوئی بندہ مجھ بات نہیں کرتا تھا۔

ایک دن صبح سورج طلوع ہوا، ہر جگہ روشنی تھی، میرے دل میں غم کا اندھیرا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ پتہ نہیں میرا انجام کیا ہوگا؟ بہت رنجیدہ۔ میرا ایک کزن تھا ابوقتادہ، میں اس کے باغ کے اندر گیا کہ چلو میں اس سے ذرا بات کرلوں، کچھ ڈھارس بنے گی، میں نے ان سے سلام کیا، جواب دیا، بات کرنے کی کوشش کی انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ میں نے کہا: ابوقتادہ! تو میرا کزن ہے، ہم اکٹھے پلے بڑھے، کھیلے، تو تو مجھے جانتا ہے۔ وہ چپ۔ میں نے کہا: ابوقتادہ! تجھے پتہ ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا ہوں، ابوقتادہ نے جواب میں اللہ و رسولہ اعلم کہا۔ اللہ اکبر۔ کہتے ہیں کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ نے میری آنکھوں سے آنسو جاری کر دیے، کیا ایمان تھا صحابہ کا؟ کزن ہر وقت ساتھ رہتا ہے، دوست ہے، لیکن اس معاملے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ فرما دیا کہ نہیں بولنا تو بولنا چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں کہ میرا غم اور بڑھ گیا۔

بالآخر میں ایک دن نکلا تو بازار میں کوئی بندہ پوچھ رہا تھا کہ کعب کون ہے؟ تو لوگوں نے بتا دیا کہ یہ ہے۔ تو میرے پاس آیا، وہ شامی تھا، مجھے کہنے لگا کہ وہ جو غسان کا جو بادشاہ ہے اس نے آپ کی طرف لیٹر لکھا ہے۔ اس بدبخت نے ان کو توڑنے کی کوشش کی، لیٹر میں یہ لکھا تھا کہ پتہ چلا ہے کہ تم سے کوئی بولتا نہیں، بات نہیں کرتا، تم دنیا میں ذلیل پیدا نہیں ہوئے تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہاری عزت کریں گے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ باپ تربیت کی خاطر بیٹے کو ڈانٹتا ہے اور دوست وہی کام کرتے ہیں جو قبیلہ غسان کے بادشاہ نے کیا تھا کہ ہمارے پاس آؤ ہم تمہاری بڑی

عزت کریں گے۔ خاوند بیوی کو ڈانٹتا ہے، سمجھاتا ہے کسی بات پر اور جو بدکار دوست ہوتے ہیں، پیار کی باتیں کرتے ہیں، حدیث سے سبق مل رہا ہے۔ انہوں نے خط پڑھا، فرماتے ہیں کہ میں نے تندور ڈھونڈا کہ تندور کہاں جل رہا ہے۔ تو قریب میں جو تندور جل رہا تھا میں نے وہ خط اس کے اندر ڈال دیا اور اپنے دل میں بڑا افسردہ ہوا کہ میں اتنا گر گیا ہوں کہ ایک بدبخت نصرانی اب مجھے دین سے نکالنے کی کوشش میں لگ گیا۔ مگر انہوں نے نبی ﷺ کی صحبت کا حق ادا کر دیا۔ اگر کوئی اپنے سے ہٹا کے گناہ پر لگانے کی کوشش کرے تو اسی طرح کرنا چاہیے، اس کے لو لیٹر کو آگ میں ڈال دینا چاہیے۔

اسی طرح چالیس دن گزر گئے تو ایک قاصد آیا اور اس نے کہا کہ نبی ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ بیوی سے الگ رہو۔ میں نے پوچھا کہ طلاق دے دوں، اس نے کہا کہ نہیں میاں بیوی والے تعلقات ختم کر دو۔ میں نے سوچا میں جوان العمر ہوں بیوی پاس ہے اور مدت کا پتہ نہیں کہ کب تک یہ آزمائش ہے تو میں نے بیوی سے کہا کہ تم میکے چلی جاؤ۔ اس نے کہا کہ سنا ہے کہ ہلال بن امیہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تو ان کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ یہ بیمار ہیں، بوڑھے ہیں، اگر حکم دیں کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں، کوئی اور خدمت کرنے والا ہے نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں خدمت کرتی رہو ملاپ نہیں کرنا۔ تو گھر میں ہے تو میں بھی جا کر اجازت مانگ لوں؟ آپ بھی اجازت مانگ لیں، فرماتے ہیں: میرا دل نہ مانا کہ محبوب ناراض ہوں اور میں اجازت مانگوں کہ مجھے بیوی کے ساتھ ملنے کی اجازت دے دیجیے۔ میں نے کہا کہ نہیں میں بات نہیں کروں گا۔ میری تنہائی میں اضافہ ہوتا گیا لوگ بھی بات نہیں کر رہے تھے اور بیوی بھی نہیں کر رہی تھی حتیٰ کہ میں اللہ کی طرف

رجوع کرتا رہا۔

جب پچاس دن گزر گئے تو ام سلمٰی کے گھر پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے کہ رات کے وقت وحی نازل ہوئی جس میں اللہ نے توبہ کی قبولیت کا اشارہ فرما دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ام سلمٰی کو پتہ چلا تو انہوں نے پوچھا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں ابھی خبر دے دوں؟ فرمایا کہ لوگ اٹھ جائیں گے، جمع ہو جائیں گے تو ابھی کچھ نہ کہو۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے جب پتہ چلا تو میں ام المومنین ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کا ہمیشہ عقیدت مند رہا، احسان مند رہا۔ عقیدت تو پہلے بھی تھی کہ میرے اوپر انہوں نے احسان کیا کہ اگر کسی کے بارے میں کوئی خیر کی بات کرنے سے اس کی مصیبت ٹل سکتی ہے تو ہمیں اس کی مصیبت ٹالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

فرماتے ہیں کہ صبح کا سورج طلوع ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرما دیا تو ایک صحابی تھے جن کا نام تھا حمزہ بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ انہوں نے پیغام بھی دیا، اعلان بھی کیا، میں اتنا خوش ہوا کہ میرے پاس صرف شلوار قمیص جو تھی اس کو دو کپڑے ہدیہ میں دے دیے۔ تو یہاں سے پتہ چلا کہ اگر خوشی کی خبر کوئی لائے تو اس آنے والے کو ہدیہ پیش کرنا بھی سنت ہے۔ صحابہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نکلا وہاں سے کہ مسجد نبوی جاؤں، راستے میں مبارک مبارک کا شور مچا ہوا تھا۔ مشکل سے میں مسجد نبوی میں پہنچا تو کہتے ہیں کہ طلحہ مجمع میں بیٹھے تھے، مجھے دیکھا تو میری طرف بھاگے اور مجھے گلے سے لگایا؛ طلحہ کا وہ ملنا مجھے یاد رہے گا۔ وجہ کیا تھی کہ جب مہاجرین نے ہجرت کی تھی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلحہ اور کعب کی آپس میں مواخات کروائی تھی، یہ بھائی بنے ہوئے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ دین کی نسبت سے جب بھائی بنیں تو پھر مشقتیں ختم کرنے کے لیے کوششیں بھی کرنی چاہیے اور بھائی کی مصیبتیں ختم ہونے کو

اپنی مصیبت کا ختم ہونا سمجھنا چاہیے۔ فرماتے ہیں صحابہ میں سب سے پہلے وہ آئے اور مجھے آ کر ملے اور مجھے ان کا ملنا یاد ہے۔ کہتے ہیں پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو نبی علیہ السلام کا چہرہ چودھویں کی چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ یہ خصوصیت تھی کہ جب کبھی ایسا خوشی کا موقع آتا محبوب کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کعب! آج کا دن تمہاری زندگی کے تمام دنوں میں سب سے بہتر ہے۔ جس دن بندے کی توبہ قبول ہو تو وہ دن زندگی کا سب سے اعلیٰ دن ہوتا ہے۔ کاش کہ آج کی محفل میں ہم بھی توبہ کر کے ہم اس کو زندگی کا سب سے اعلیٰ دن بنالیں۔ میں نے کہا: اللہ کے نبی ﷺ مال کی وجہ سے جانے میں ذرا سستی کی تو میں مال اللہ کے راستے میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا کہ کچھ اپنے پاس رکھ لو باقی صدقہ کر دو۔ تو فدق کی زمین میں نے رکھ لی اور باقی مال میں نے اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مبارک ہو یہ بشارت اللہ کی طرف سے ہے، اللہ نے قرآن کے اندر آیتیں اتاری ہیں:

﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (توبہ:۱۱۸)

"اور ان تینوں پر بھی (مہربان) جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے کوئی پناہ نہیں، سوائے اسی کی طرف آنے کے، پھر اللہ بھی اپنی رحمت سے ان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہ توبہ کر لیں بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"

اب سمجھنے کی بات یہاں پر یہ ہے کہ آسمان آوٹ لٹ نظر آتی تھی، جھوٹ بولو جان چھوٹ جائے گی، سچ بولو گے مصیبت کا پہاڑ گر جائے گا۔ لیکن انہوں نے مشاہدے پر نظر نہیں کی انہوں نے شریعت کو دیکھا، شریعت کہتی ہے: سچ بولو انہوں نے سوچا جو پہاڑ گرتا ہے گر جائے سچ بولنا ہے۔ انہوں نے تنہائی کا جدائی کا پہاڑ سہہ لیا۔ میرا مولیٰ کتنا قدر دان ہے! اللہ چاہتے ہیں کہ اپنے نبی ﷺ کو ویسے ہی پیغام پہنچا دیتے کہ ہم نے توبہ قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مشقت تکلیف کو برداشت کرنے کے بعد اس واقعے کو قرآن پاک کا حصہ بنا دیا۔ قیامت تک ہم پڑھتے رہیں گے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ یاد آتے رہیں گے۔ کیا انعام ملا! جنت میں بھی پڑھیں گے پڑھنے والے۔

﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾

تو معلوم ہوا کہ ہمیں سچ کا ساتھ دینا ہے، بھلے تکلیفیں نظر آئیں، اللہ سچ کی وجہ سے اپنی مدد اتارے گا، حالات کو خود ٹھیک فرما دے گا۔ اس لیے لڑائی جھگڑا غیبت گناہ اس راستے پر قدم ہی نہیں رکھنا۔ صبر، خاموشی۔ تقویٰ اس راستے پر قدم رکھیں گے اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائیں گے دنیا و آخرت میں ہمیں کامیاب فرمائیں گے۔

شریعت پر استقامت بھی دعوت ہے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک علاقے کا نصرانی شہزادہ گرفتار ہو کر آیا۔ وہ مسلمانوں کے لیے اتنی سر دردی بنا ہوا تھا کہ ہر بندہ چاہتا تھا کہ اس کو تو قتل ہی کر دیا جائے۔ اس نے اتنا پریشان کیا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو قتل کیا جائے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تیری

کوئی خواہش؟ اس نے کہا کہ جی ایک پیالہ پانی پینا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھئی اسے پیالہ پانی کا پلا دو! اس کو جب پانی کا پیالہ دیا تو وہ کانپ رہا ہے، بھئی! پانی نہیں پی رہے؟ اس نے کہا کہ جی مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میں پانی پینے لگوں گا آپ کا جلاد تلوار کا وار کر کے میری گردن اڑا دے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جلدی میں کہہ دیا کہ تو جب تک پی نہیں لے گا ہم اس وقت تجھے قتل نہیں کریں گے۔ جیسے ہی یہ کہا وہ اتنا عیار اور چالاک نکلا کہ اس نے پانی کا پیالہ زمین پر گرا دیا، کہتا ہے کہ آپ نے قول دیا ہے کہ جب تک تو پانی پی نہیں لے گا ہم تجھے قتل نہیں کریں گے، اب پانی زمین میں جذب ہو گیا، میں نے تو پیا نہیں، اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ہم کہتے: او تو ہمیں ہوشیاری دکھاتا ہے، بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا، اسی وقت جلاد کو کہتے اڑا دو اس کی گردن کو۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی مضبوطی دیکھیے، فرمایا: ہاں میں نے قول دیا تھا اب ہم تمہیں قتل نہیں کر سکتے، تسلیم کر لیا۔ صحابہ حیران، ایسے بدبخت کو چھوڑ دیا جو مسلمانوں کا اتنا بڑا دشمن۔ آپ نے فرمایا میں نے قول دے دیا میں اس کی پاسداری کروں گا جلاد کو فرمایا کہ واپس چلے جاؤ۔ جب آپ نے جلاد کو واپس جانے کا حکم دیا تو اس نے کہا کہ جی میں کلمہ پڑھتا ہوں مسلمان ہوتا ہوں۔ سب حیران، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم نے کلمہ کیسے پڑھ لیا؟ اس نے کہا کہ جی کلمہ تو میں پہلے بھی پڑھنا چاہتا تھا لیکن پہلے پڑھتا تو لوگ کہتے کہ موت کے خوف کی وجہ سے مسلمان ہو گیا، جب میں نے آپ کو عاجز کر دیا قتل کرنے سے اب میں اسلام کی اصول پرستی اور سچائی کو دیکھ کر مسلمان ہو رہا ہوں۔ اب دیکھیے کہ ظاہر میں نظر آ رہا تھا کہ یہ دشمن سچ کے ساتھ آزاد ہو جائے گا، لیکن اللہ کی مدد ہے سچ کے ساتھ۔

تو اصول یہ بنائیں کہ ہم نے شریعت پر چلنا ہے، ہم نے سنت کو اپنانا ہے، ہم

نے شریعت کی تابعداری کرنی ہے، حالات کو نہیں دیکھنا، اللہ تعالیٰ حالات کو خود بخود موافق فرما دیں گے، اللہ تعالیٰ خود ہماری مدد فرما دیں گے۔ اور دین کے اوپر ہم نے جمے رہنا ہے اور اس کے لیے اگر جان بھی چلی جائے تو ہماری خوش نصیبی ہے۔ کوئی ہمارے جسم سے جان تو نکال سکتا ہے، ہمارے دل سے ایمان تو نہیں نکال سکتا، پکے مضبوط ہو جائیے اس کے اوپر۔ کوئی ہمارے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتا، کیا کرے گا اگر آگ میں ڈال دے گا پھانسی پر لٹکا دے گا، جان سے مار دے گا اور کیا کرے گا؟ ایسی محبت دین کی جب علما کے دلوں میں ہوگی تو پھر اس کے اثرات عوام کے اوپر پڑیں گے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی استقامت:

صحابہ کی استقامت سن لیجیے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حالات کو دیکھیں! مخالفین نے گھیرے میں لے لیا، پتہ چلا کہ میرے ساتھ جو تین سو بندے تھے، ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے تھوڑے رہ گئے، میں بھی شہید ہو جاؤں گا۔ تو خیال آیا کہ میں گھر کے دروازے پر ہوں، کیوں نہ ایک دفعہ اپنی اماں سے مل لوں اور دعا کروا لوں۔ ان کی والدہ تھیں اسماء رضی اللہ عنہا۔ وہ گھر کے اندر داخل ہوئے کہ اماں بس میں آپ کو آخری دفعہ ملنے آیا ہوں، تو اسماء رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں کہ بیٹا گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ اماں اس وقت میرے ساتھی زیادہ تر شہید ہو گئے، تھوڑے رہ گئے ہیں۔ تو انہوں نے جواب میں پوچھا کہ حق پر ہو یا باطل پر تو فرمایا کہ اماں حق پر ہوں۔ تو فرمایا حق پر ہو تو پھر گھبراہٹ کیسی؟ بوڑھی ماں بینائی چلی گئی تھی، موتیا آ گیا تھا، اتنی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اس وقت کہتی ہے اگر حق پر تو گھبراٹ کیسی؟ (نبی کی صحبت پائی تھی نا)۔ تو ماں نے ہاتھ لگایا تو دیکھا کہ زرہ پہنی ہوئی ہے، بیٹے یہ زرہ کیوں پہنی ہوئی ہے؟ جو اللہ نے

لکھا ہے وہ تو ہو کے رہنا ہے۔ اماں! مجھے ڈر یہ ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں گے تو میری لاش کو مسخ کر دیں گے۔ تو ماں کہتی ہے کہ بیٹا! جب بکری حلال ہو جاتی ہے تو کھال کے کھینچنے سے بکری کو کوئی تکلیف نہیں ہوا کرتی، یہ بوڑھی ماں جوان بیٹے سے بات کر رہی ہے، سکھا رہی ہے کہ نبی ﷺ نے جو ہمیں دین سکھایا تھا میں تمہیں وہ سکھا رہی ہوں۔ اچھا اماں! میں نکلتا ہوں باہر، جب کہا کہ میں اب باہر نکلتا ہوں تو اسماء رضی اللہ عنہا نے دعا دی اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جو گرمی کے لمبے دنوں میں سارا دن روزہ رکھا کرتا تھا، یہ میرا وہ بیٹا ہے جو سردیوں کی لمبی راتوں میں ساری ساری رات مصلے پر عبادت کیا کرتا تھا، اللہ! میرا وہ بیٹا ہے جس نے اپنی خدمت سے اپنی ماں اور باپ کے دل کو خوش کیا، میں اس سے راضی ہوں، اللہ تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ دعا مانگنے کا سلیقہ سکھا دیا۔ اور پھر اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹے! میری آنکھوں کی بینائی چلی گئی میں تجھے دیکھ نہیں سکتی ذرا میرے قریب ہو جا! میں تیرے رخسار کا بوسہ لے لوں اور تیرے جسم کی خوشبو سونگھ لوں، کیا پہاڑوں جیسے دل اللہ نے عطا فرمائے تھے۔

حضرت مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت:

قریب کے زمانے میں اکابر علمائے دیوبند کے ایک شاگرد مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ ان کی والدہ حضرت خواجہ مرزا جان جاناں سے بیعت تھیں اور مرزا صاحب کی برکات تھیں کہ ان کے والدہ کے دل میں ایمان کا نور چمکتا تھا۔ اس لیے اس ماں نے اپنے دونوں بیٹوں کو کہا تھا: ع

بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو

یہ ماں تھی تو بیٹے نے کوششیں شروع کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلامی سے

نجات عطا فرمائے۔ مسلمان غلام تھے، فرنگی اس وقت حاکم تھا، اس وقت اللہ نے ان کو علم دیا تھا، اخباروں میں لکھتے تھے، نکتۂ نظر سمجھاتے تھے کہ ہمیں آزاد کرو۔ اس پر فرنگی نے ان کو پیغام بھیجا کہ تم زیادہ کچھ کرنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں ہم جان سے مار دیں گے، تو مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اشعار لکھے:

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب میں سامانِ بقا میرے لیے ہے
پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو
خوش ہوں کہ وہ پیغامِ قضا میرے لیے ہے
یوں ابر سیاہ پر تو فدا ہیں سبھی مے کش
مگر آج کی گھنگھور گھٹا میرے لیے ہے
کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے
اللہ کے رستے کی جو موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لیے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

پھر اس کے بعد مولانا محمد جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ کیا کہ میں یہاں سے انگلینڈ جاتا ہوں اور وہیں رہوں گا اور وہاں کے نیوز پیپرز میں مسلمانوں کی حالتِ زار کے بارے میں لکھوں گا تاکہ وہاں کے عوام کو بھی پتہ چلے کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟ نکتۂ نظر واضح ہو۔ جاتے ہوئے نیت کر کے گئے کہ جب تک آزادی نہیں ملے گی میں واپس

نہیں آؤں گا۔ کئی سال گزر گئے جوان العمر بیٹی فاطمہ بیمار ہے، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا، ماں نے پوچھا: بیٹا! تیری کوئی آخری خواہش؟ اس نے کہا: اماں! دل چاہتا ہے کہ ابا حضور کو ایک مرتبہ دیکھ لیتی، تو اس نے کہا کہ بیٹی خط لکھ دو! جوان بیٹی نے خط لکھا کہ میں زندگی کے دن گن رہی ہوں، مرنے سے پہلے ایک مرتبہ آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب خط ملا تو اسی کی پشت کے اوپر چند اشعار لکھ کر واپس کر دیا اور اشعار کیا لکھے:

میں تو مجبور سہی اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
تیری صحت ہمیں منظور ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

بتا دیا کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی ایسا کامل ایمان نصیب فرمائے۔ ہم گناہوں سے سچی پکی توبہ کر کے نیکیوں بھری زندگی گزارنے کے لیے اپنی زندگیوں کو دین کے لیے وقف کر دیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ (زمر: ٣٦)

اللہ سے دوستی کیجیے

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 22 جولائی 2010ء بروز جمعرات 9 شعبان، ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس برائے علماء و طلباء (بعد نماز مغرب)

اقتباس

چنانچہ خالق اور مخلوق کی محبت میں ایک بنیادی فرق سمجھ لیں کہ مخلوق کی محبتیں بالآخر جدائی میں بدلتی ہیں۔ کتنی ہی محبت میاں بیوی میں کیوں نہ ہو، موت ان دونوں میں جدائیاں ڈال دیتی ہے، ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ ماں باپ کی محبت کتنی ہی آئیڈیل کیوں نہ ہو؟ موت ماں باپ اور اولاد کے درمیان جدائیاں ڈال دیتی ہے۔ تو دنیاوی محبتوں کا انجام جدائی۔ جبکہ اللہ رب العزت کی محبت ایسی ہے کہ انجام وصل ہے۔ یاد رکھیے! جو مخلوق سے محبت کرے گا ایک نا ایک دن مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا اور جو اللہ رب العزت سے محبت کرے گا ایک نا ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اللہ سے دوستی کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾
وَ قَالَ الْمَشَائِخُ: مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیاوی تعلقات اغراض پر مبنی:

اللہ رب العزت نے انسان کو دھڑکتا ہوا دل اور پھڑکتا ہوا دماغ دیا۔ یہ احساس اور جذبات رکھنے والا انسان اپنی زندگی میں دوسرے لوگوں سے تعلق جوڑتا ہے لیکن ہر تعلق کے پیچھے ضرورت اور غرض شامل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

ماں باپ کا تعلق اولاد کے ساتھ سب سے زیادہ مضبوط تعلق ہے مگر اس کے پیچھے بھی ضرورت شامل، غرض شامل ہے۔ ماں باپ سوچتے ہیں کہ کوئی ہو جو ہمارا وارث بنے، کوئی ہو جو ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے۔ تو ماں باپ کی ضرورت اولاد اور اولاد کی ضرورت ماں باپ۔ ماں باپ اگر سرپرستی نہ کریں، تربیت نہ کریں تو بچہ تو کبھی بھی دنیا میں اچھا مقام نہ پائے۔

میاں بیوی کا تعلق، کتنا مضبوط ہوتا ہے، بیوی شوہر کی ضرورت ہوتی ہے،

شوہر کو ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی گھر ہو اور گھر کو سنبھالنے والی کوئی ہو، اولاد ہو جس کی ایک ماں ہو۔ بیوی کو خاوند کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو سر کا سایہ چاہیے، معاشی اور معاشرتی تحفظ چاہیے، جو اسے خاوند کی صورت میں ملتا ہے۔

استاد اور شاگرد کا تعلق، اس کے پیچھے بھی غرض ہوتی ہے۔ شاگرد کو غرض ہوتی ہے کہ استاد سے مجھے علم ملے گا، وہ دور دراز کا سفر کر کے آتا ہے، تکلیفیں اٹھاتا ہے، پیسے خرچ کر کے آتا ہے اور استاد کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ میں نے پڑھا وہ کہیں ذہن سے ہی نہ نکل جائے، مجھے پڑھاتے رہنا چاہیے، پھر پڑھانے کا کچھ نہ کچھ عوض بھی ملتا ہے تو اس تعلق کے پیچھے بھی ضرورت ہے۔

مریض اور طبیب کا تعلق، ڈاکٹر چاہے کہتا رہے کہ جی میں تو خدمتِ خلق کی نیت سے دیکھتا ہوں، مگر Payment (اجرت) تو اسے ملتی ہے۔ تو مریض کی ضرورت طبیب اور طبیب کی ضرورت مریض ہے۔

مالک اور مزدور کا تعلق، اگر مزدور نہ ہو تو مالک اپنی فیکٹری کو اکیلا چلا نہیں سکتا اور اگر مالک تنخواہ نہ دے تو مزدور کام کر نہیں سکتے، دونوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔

دوست اور دوست کا تعلق، اگر آپ غور کریں تو اس کے پیچھے بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک کلاس میں پڑھتے ہیں، مل کے پڑھنا ہے۔ ایک محلے میں رہتے ہیں، آپس میں دکھ سکھ کے شریک ہیں۔ ہر تعلق کے پیچھے آپ کو ضرورت اور غرض نظر آئے گی۔

حتیٰ کہ پیر اور مرید کا تعلق۔ مرید تعلق جوڑتا ہے اس لیے کہ میری تربیت ہوگی اور پیر اس کی تربیت کرتا ہے تو اس نیت کے ساتھ کہ اللہ مجھ سے راضی ہوگا، تو غرض تو

ہے نا! ضروری تو نہیں کہ ہر کام مال کے پیچھے کریں، آخرت کی کامیابی بھی تو ایک ضرورت اور غرض ہے۔ تو دنیا میں ہر تعلق کے پیچھے ضرورت اور غرض ہے۔

دو بے غرض تعلقات:

دو تعلقات ایسے ہیں جو بے غرض ہیں، جن کے پیچھے کوئی غرض نہیں۔

(۱) اللہ کا بندے سے تعلق:

ایک تعلق اللہ کا بندے کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((عَبْدِیْ كُلٌّ يُرِيْدُكَ لِنَفْسِهٖ وَ اَنَا اُرِيْدُكَ لَكَ))

”ہر بندہ تجھ سے اپنے لیے محبت کرتا ہے اور میرے بندے میں تجھ سے تیرے لیے محبت کرتا ہوں“

((اَدْعُوْكَ لِلْوَصْلِ فَتَاْبٰى ۔ اَبْعَثُ رُسُلِیْ فِی الطَّلَبِ))

”میں نے تمہیں ملاقات کے لیے بلایا تم نے انکار کیا میں نے رسولوں کو بھیجا کہ وہ تمہارے اندر طلب پیدا کریں“

میرے بندے میں نے تجھے بلا بھیجا کہ آؤ مجھ سے ملاقات کے لیے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ (سورۃ یونس: ۲۵)

”اور اللہ بلاتا ہے تمہیں سلامتی والے گھر کی طرف“

میں نے تمہیں دعوت دی کہ آؤ جنت میں مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے، فَتَاْبٰى تم نے میری بات کو نہ مانا ” اَبْعَثُ رُسُلِیْ فِی الطَّلَبِ “ میں نے اپنے رسولوں کو نمائندہ بنا کر بھیجا کہ تمہیں سمجھائیں اور میری ملاقات کے لیے تیار کر دیں۔

اللہ رب العزت کی محبت بغیر غرض کے ہے ساری دنیا کافر ہو جائے اللہ کی شان میں کمی نہیں آتی۔ ساری دنیا فرمانبردار ہو جائے، اس کی شان میں اضافہ نہیں ہوتا۔ تو اللہ کا تعلق بندے کے ساتھ بے غرض ہے۔

(۲) نبی ﷺ کا امت کے ساتھ تعلق:

اور دوسرا تعلق نبی ﷺ کا امت کے ساتھ کہ نبی علیہ السلام کو اس بات کی غرض نہیں تھی کہ میرے درجے بڑھیں گے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمادیا: اے محبوب ﷺ!

﴿ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ ﴾ (الفتح: ۲)

"اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے"

فرمادیا:

﴿ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ (ضحیٰ: ۵)

"میرے محبوب! عنقریب تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا"

تو معلوم ہوا کہ اللہ کے حبیب کو ضرورت نہیں ہے۔ پھر اللہ کے حبیب ﷺ جو امت کے لیے غم زدہ ہوتے تھے، روتے تھے، پاؤں پر ورم آجاتے تھے امت کے غم کی وجہ سے، بے غرض تعلق تھا۔ تو تمام دنیا کے تعلقات کی بنیاد ضرورت اور غرض ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا تعلق بندوں کے ساتھ بے غرض ہے۔

دنیاوی محبت کا حال:

دنیاوی محبتوں کا تو حال یہ کہ جس کو غرض اور ضرورت ہے وہ ضرورت کو پوری بھی کرتا ہے اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو آنکھیں بدل لیتا ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں کہ دنیاوی محبت والوں کی ساری زندگی شکووں میں گزر جاتی ہے۔ خاوند سے سنو تو بیوی کے شکوے! اس چیز کا خیال نہیں کرتی، اس کا خیال نہیں کرتی، اس کا نہیں

کرتی اور بیوی سے سنو تو خاوند کے شکوے، وقت پر گھر نہیں آتے، توجہ نہیں کرتے۔

مجھے اور کی تمنا میرے دل میں تو ہی تو ہے

تو جس کو غرض ہے وہ پیچھے پیچھے اور جس کو غرض نہیں اس کو پرواہ ہی نہیں۔

کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا
زمیں ملی ہے تو پھر آسماں نہیں ملتا
جسے دیکھیے اپنے آپ میں گم ہے
زباں ملی ہے مگر ہم زباں نہیں ملتا
بھرے جہاں میں ممکن نہیں پیار نہ ہو
جہاں امید ہو اس کی وہاں نہیں ملتا

کہیں خاوند کو بیویوں سے نہیں ملتا اور کہیں بیویوں کو خاوندوں سے نہیں ملتا، بھائی کو بھائی سے نہیں ملتا، اولاد کو ماں باپ سے نہیں ملتا، ماں باپ کو اولاد سے نہیں ملتا۔ جہاں امید ہو اس کی وہاں نہیں ملتا۔ تو دنیاوی محبتوں کا انجام شکوے ہی شکوے۔ دنیاوی محبتوں کی معراج یہ ہوتی ہے کہ دونوں طرف محبت کا جذبہ ایک ہو۔ چنانچہ شاعر نے کہا:

الفت کا جب مزا ہے کہ ہوں وہ بھی بیقرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

کہ دونوں طرف برابر کی آگ ہو تو پھر محبت کا مزہ ہے، یہ دنیاوی محبتوں کا حال ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا حال:

اب ذرا اللہ رب العزت کی محبت کا حال بھی سن لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں

سے کتنی محبت ہے؟ حدیث پاک میں آیا ہے، میرے بندے! تو میری طرف ایک بالشت چلتا ہے میری رحمت تیری طرف دو بالشت چلتی ہے۔

((وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً))

''جب تو چل کے میری طرف آتا ہے میری رحمت دوڑ کر تیری طرف جاتی ہے''

تو معلوم ہوا کہ بندے کی نسبت اللہ کی محبت زیادہ ہے، پھر اس محبت کی معراج کیا ہے؟ بندہ جب اپنے پروردگار سے محبت کرتا ہے تو اس کی معراج کیا ہے؟ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: جو مجھ سے محبت کرتا ہے تو ایسا لمحہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَ يَدَهُ الَّذِي يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ الَّذِي يَمْشِي بِهَا))

''میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔''

تو اللہ رب العزت کی محبت کی معراج دیکھیے کہ اللہ بندے کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں!

خالق اور مخلوق کی محبت کا فرق

(۱) وصل اور جدائی کا فرق:

چنانچہ خالق اور مخلوق کی محبت میں ایک بنیادی فرق سمجھ لیں کہ مخلوق کی محبتیں

بالآخر جدائی میں بدلتی ہیں۔ کتنی ہی محبت میاں بیوی میں کیوں نہ ہو، موت ان دونوں میں جدائیاں ڈال دیتی ہے، ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ ماں باپ کی محبت کتنی ہی آئیڈیل کیوں نہ ہو؟ موت ماں باپ اور اولاد کے درمیان جدائیاں ڈال دیتی ہے۔ تو دنیاوی محبتوں کا انجام جدائی۔ جبکہ اللہ رب العزت کی محبت ایسی ہے کہ انجام وصل ہے۔ یاد رکھیے! جو مخلوق سے محبت کرے گا ایک نا ایک دن مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا اور جو اللہ رب العزت سے محبت کرے گا ایک نا ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا۔

(۲) حاسدین:

مخلوق کی محبتوں میں حاسدین بہت ہوتے ہیں، چنانچہ دو بندوں کو ایک دوسرے سے محبت ہو تو دونوں میں ایک دوسرے کے ساتھ حسد ہوگا۔ مخلوق کی محبتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ حسد بہت، اللہ کی محبت کا لطف یہ ہے کہ جتنے اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے، آپس میں محبتیں ہوں گی۔ شاعر نے کہا کہ

؎ یوں تو ہوتی ہے رقابت لازماً عشاق میں
عشقِ مولیٰ ہے مگر اس تہمتِ بد سے بری

اللہ کا عشق اس تہمت سے بری ہے، اللہ کے چاہنے والے جتنے بھی ہوں گے ان میں حسد نہیں ہوگا آپس میں محبت ہوگی۔

(۳) محبت میں پہل:

چنانچہ دنیا کی محبت میں بندے کو پہل کرنی پڑتی ہے۔ جو محبت کرنے والا ہے وہ پہل کرتا ہے اور اللہ کی محبت میں کون پہل کرتا ہے؟ اللہ رب العزت پہل فرماتے

ہیں۔ سنیے! امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزید کا یہ قول نقل کیا کہ چار باتوں کے سمجھنے میں مجھے غلط فہمی تھی، قرآن جب پڑھا اس نے میری غلط فہمی کو دور کر دیا۔ علمی نکتہ

پہلی بات: میں سمجھتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پہلے محبت کرتا ہوں پھر اس کے بدلے اللہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ جب میں نے قرآن پاک پڑھا تو اس میں اللہ کا فرمان پڑھا:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''اللہ ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔''

تو مجھے پتہ چلا کہ اللہ پہلے محبت کرتے ہیں بعد میں بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔

دوسری بات: میں یہ سمجھتا تھا کہ میں اللہ سے پہلے راضی ہوتا ہوں بعد میں اللہ مجھ سے راضی ہوتے ہیں۔ قرآن مجید پڑھا تو فرمان الٰہی پڑھا:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (بینۃ:۸)

''اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی''

تیسری بات: میں یہ سمجھتا تھا کہ میں ذکر پہلے کرتا ہوں، اللہ میرا ذکر بعد میں کرتے ہیں، قرآن پڑھنے سے غلط فہمی دور ہوگئی۔ فرمایا:

﴿وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (مدثر:۵۶)

''اور وہ ذکر نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ چاہے تو''

اللہ پہلے چاہتے ہیں، توفیق دیتے ہیں تب بندہ اس کا ذکر کر سکتا ہے۔

چوتھی بات: میں سمجھتا تھا میں پہلے توبہ کرتا ہوں بعد میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، قرآن پاک نے میری غلط فہمی کو دور کر دیا فرمایا:

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ (التوبۃ:۱۱۸)

''پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہوا کہ وہ توبہ کر لیں''

تو اللہ کی رحمت پہلے متوجہ ہوتی ہے پھر بندے کو توبہ کی توفیق ملتی ہے۔ کتنا کریم پروردگار ہے! جو چاہتا ہے کہ میرے بندے میری طرف متوجہ ہوں۔

(۴) رقیب:

مخلوق کی محبت میں رقیب برداشت نہیں ہوتا، مخلوق محبت کر کے وعدہ لیتی ہے کہ ہمارے سوا نہ کسی سے تعلق رکھنا اور نہ کسی سے ملنا۔ یہ دنیاوی محبتوں کا انجام کہ کہتے ہیں نہ کسی سے تعلق رکھنا اور نہ کسی سے ملنا۔ بس ہم محبت کرتے ہیں آپ سے اور کوئی آپ سے محبت مت کرے۔ اور اللہ کی محبت کا معاملہ دیکھو کہ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ

((اَتٰی جِبْرَائِیْلُ))

اللہ تعالیٰ جبرئیل کو بلاتے ہیں، فرماتے ہیں: جبرئیل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام آسمان پر اعلان کرتے ہیں اور اس اعلان کو سن کر سارے فرشتے اس ولی سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام زمین پر آتے اور زمین پر اعلان کرتے ہیں، لوگوں کے کان نہیں سنتے لوگوں کے دل سنتے ہیں۔

((ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ))

''پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دیتے ہیں''

پھر اللہ ہر دل میں اس بندے کی محبت رکھ دیتے ہیں۔ تو دنیاوی محبتوں کا انجام یہ کہ کہتے ہیں بس جی ہمارے سوا کوئی تم سے محبت نہ کرے، اللہ کی محبت کا انجام کہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے تم سے محبت کی، میرے بندے! اب ہر کوئی تجھ سے محبت کرے

گا۔

اس لیے مخلوق کہتی ہے کہ جسم ہمارے پاس ہونا چاہیے دل جہاں مرضی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بندے تیرا دل میرے پاس ہونا چاہیے، تیرا جسم جہاں مرضی ہو۔

محبت کی دلیل:

اللہ تعالیٰ کو بندے سے سچی محبت ہے، ہر محبت کی دلیل ہوتی ہے، اب محبت کی دلیل سنیے کہ جہاں محبت ہوتی ہے انسان جتنا مرضی اس کو کچھ دے سمجھتا ہے کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں دیا اور محبوب تھوڑا سا دے دے تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا، اس کو بہت سمجھتا ہے۔ تو دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے بندے کو اس دنیا میں ان گنت نعمتیں عطا فرمائیں اور اتنا کچھ دینے کے بعد فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ (النساء:۷۷)

’’کہہ دو کہ دنیا کی متاع بہت تھوڑی ہے‘‘

بندے میں نے تو تجھے بہت تھوڑا دیا۔ اب بندے کی زندگی محدود ہے تو ظاہر بات ہے عمل محدود بھی محدود ہے۔ اس بندے نے اپنی زندگی میں اللہ کو تھوڑا سا یاد کیا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ (الاحزاب:۳۵)

’’اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور عورتیں‘‘

تو محبوب سے تھوڑا سا ملا تو کثیر کا لفظ استعمال کیا اور خود اتنا کچھ دیا اور اس کے لیے قلیل کا لفظ استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت دیکھیے! اس لیے مخلوق اور خالق کی محبت میں کوئی تقابل (Comparison) ہی نہیں ہے۔

اللہ کا دوست کون؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے اللہ کا دوست کون ہوتا ہے؟

○ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قرآن عظیم الشان:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (یونس:۶۲)

''جان لو کہ جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں دوست ہوتے ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں''

دو لفظ استعمال کیے خوف اور حزن۔''حزن'' کہتے ہیں اندر کے روگ کو، اندر کے غم کو، اور خوف کہتے ہیں باہر کے کسی ڈر کو۔ تو فرمایا کہ میرے اولیا کو نہ کوئی اندر کا روگ ہوتا ہے، نہ کوئی باہر کا ڈر۔

○ یہ کون ہوتے ہیں؟

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ (یونس:۶۳)

''جو ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں''

تو معلوم ہوا کہ تقویٰ اختیار کرنے سے انسان اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔

○ دوسری جگہ وضاحت سے فرمایا:

﴿ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (الانفال:۳۴)

''اللہ کے دوست وہی ہوتے ہیں جو پرہیزگار ہوتے ہیں''

تو ہماری غلط فہمی ختم ہونی چاہیے، آج کے زمانے میں تو عوام الناس سمجھتے ہیں کہ آدھا ننگا، آدھا ولی اور پورا ننگا پورا ولی۔ قرآن مجید تو کہہ رہا ہے جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کرے وہ اللہ کا ولی ہے۔

○ سنیے حدیث پاک میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ))

''توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے''

جو شخص بھی گناہوں سے سچی توبہ کر لیتا ہے اللہ اس کو اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل کر لیتا ہے۔

○ اور ایک اور بات فرمائی:

((اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ))

''ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے''

تو اللہ کی دوستی کو مصلے سے نتھی نہ کرے کہ بس مصلے پہ بیٹھنے والے اللہ کے دوست ہیں، نہیں! کتنے لوگ ہیں ان کے اوپر گھر کے فرائض ہیں اور ان کے وہ کفیل ہیں۔ کام کرتے ہیں، محنت مزدوری کرتے ہیں، اس محنت مزدوری اور رزق حلال کے کمانے پر اللہ تعالیٰ ان کو عبادت کا ثواب دیتے ہیں اور اپنے دوستوں میں شامل فرماتے ہیں۔

اس عاجز نے اپنی زندگی میں ایک ایسے دوست کو دیکھا، ان کا سلسلے میں تعلق تھا، پولیس میں کام کرنے والے تھے، مگر سالوں ان کی تہجد قضا نہیں ہوئی۔ تو ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے والا وہ بھی اللہ کا دوست ہے۔

○ ﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (ال عمران:۱۳۴)

''اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتے ہیں''

○ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (الانفال:۴)

''بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت فرماتے ہیں''

○ ﴿وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (المائدہ:۴۲)

''انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت فرماتے ہیں''

○ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

''توکل کرنے والوں سے اللہ محبت فرماتے ہیں''

○ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرہ:۲۲۲)

''اللہ توبہ کرنے والوں سے بھی محبت کرتے ہیں اور پاک صاف رہنے والوں سے بھی محبت کرتے ہیں''

کتنا خوبصورت یہ دین ہے، ہمیں صفائی کی تعلیم دے رہا ہے کہ یہ نہ ہو تم مسجد میں آؤ اور پسینے کی بو آ رہی ہو، منہ سے بو آ رہی ہو۔ بھئی! اگر منہ میں بو ہے تو الائچی استعمال کرو! ٹوتھ برش استعمال کرو! پسینے کی بو ہے تو نہا لو، کپڑے تبدیل کر لو۔ اللہ کے نبی ﷺ اتنی خوشبو استعمال کرتے تھے کہ جس راستے سے گزر جاتے تھے تو گزرنے کے بعد بھی اس راستے سے خوشبو آتی تھی۔

○ اور فرمایا:

«اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ»

''میں شکستہ دلوں میں ہوتا ہوں''

ٹوٹے ہوئے دلوں کو اللہ اپنا گھر بنا لیتے ہیں۔ جو غریب ہو، جو مسکین ہو، جو مظلوم ہو، کسی کی زیادتی کی وجہ سے دل ٹوٹے، فرمایا: جس بندے کا دنیا میں دل ٹوٹے گا، اس ٹوٹے دل میں ڈھونڈنا، اس ٹوٹے دل میں تمہیں خدا نظر آئے گا۔

؎ مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے، ڈھا دے جو کچھ ڈھیندا ایں
پر کسے دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہندا اے

اللہ سے دوستی کے ثمرات

(۱) اللہ کی سرپرستی:

اللہ رب العزت جب کسی سے محبت فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے سرپرست بن جاتے ہیں۔قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾ (الاعراف:۱۹۶)

''اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

سرپرست کہتے ہیں گارڈین کو۔کسی کے نفع نقصان کا ذمہ دار کسی کی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ دار، اس کو گارڈین کہتے ہیں،۔اللہ تعالیٰ بندے کے سرپرست بن جاتے ہیں۔اب ذرا توجہ کریں، بچے کا گارڈین، اس کا والد ہوتا ہے۔بچے کو کوئی فکر نہیں ہوتی کہ پڑھائی کی فیس کہاں سے آئے گی؟ یونیفارم کیسے خریدوں گا؟ کتابیں کہاں سے آئیں گی؟ میں سکول کیسے جاؤں گا؟ اس کو پتہ ہے کہ میرے ابو موجود ہیں، وہ میری ہر ضرورت کو پورا کریں گے۔

چنانچہ ایک بچہ اپنے دوست سے کہتا ہے کہ میں حج پر جا رہا ہوں، وہ کہتا ہے کہ تم نے ٹکٹ خرید لی؟ نہیں، تم نے احرام خریدا؟ نہیں، حج کرنے کا پتہ ہے؟ نہیں، وہاں پر ہوٹل بک کروالیا؟ نہیں، جب تم نے کچھ بھی نہیں کیا تو حج کیسے کرو گے؟ تو پہلا بچہ اسے کہتا ہے کہ میں ابو کے ساتھ جا رہا ہوں۔اب جب اس نے یہ کہہ دیا کہ میں ابو کے ساتھ جا رہا ہوں تو اس نے ہر سوال کا جواب دے دیا کہ ابو ہیں میری ہر ضرورت کا وہ خیال رکھیں گے۔تو جیسے بچے کو اپنے باپ کی سرپرستی پر پکا یقین ہوتا ہے، جب اللہ بندے کا سرپرست بن جائے تو سوچیے اللہ اس کی ضرورتوں کو کیسے پورا

نہیں فرمائے گا۔

حدیث پاک میں ہے کہ اے میرے بندے! تو دن کے شروع میں چند رکعتیں میرے لیے پڑھ لیا کر میں سارا دن تیرے کاموں میں تیری کفایت کروں گا۔ تیرے کاموں میں تیری مدد کروں گا۔ ایک جگہ فرمایا میں تیرے دل کو غنا سے بھر دوں گا۔ اللہ اکبر کبیرا! اللہ لحاظ فرماتے ہیں۔

ایک تائب کے سر پر سایۂ رحمت:

ایک نوجوان تھا تو کسی ہمسائے کی نوکرانی کی طرف اس کا دل مائل ہو گیا۔ لڑکی نیک پاک تھی، ایک مرتبہ اس نے اسے بتایا کہ میں تو تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، I miss you جیسے آج کل کے تماشے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ دیکھو مجھے بھی تم سے محبت ہے مگر میں اللہ سے ڈرتی ہوں۔ اس پاکیزہ بچی کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے کہ اس نوجوان کے دل میں اتر گئے، اس نے کہا کہ اگر یہ اللہ سے اتنا ڈرتی ہے تو میں تو مرد ہوں مجھے تو زیادہ ڈرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے توبہ کر لی اور اس نے سوچا کہ اب میں نیک بنتا ہوں عالم بنوں گا دین پڑھوں گا۔ دور کہیں سو پچاس میل کے فاصلے پر شہر تھا جہاں علما تھے، اس نے نیت کر لی کہ میں وہاں جاتا ہوں۔ راستے میں ایک بڑے میاں مل گئے، تعارف ہوا، پوچھا کہاں جانا ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں شہر۔ اس نے کہا: میں نے بھی اس کے قریبی شہر جانا ہے، تین چار دن ہمیں لگیں گے، چلو ہم اکٹھے سفر کرتے ہیں۔

چنانچہ دونوں نے اکٹھا سفر کرنا شروع کر دیا۔ مگر ایک بات عجیب تھی کہ سخت گرمیوں کے دن تھے، ان دونوں کے سر پر بادل کا ایک سایہ آ گیا، جدھر جاتے سایہ ان کے اوپر اوپر۔ اب نوجوان بھی سمجھتا کہ یہ سایہ بوڑھے میاں کی وجہ سے ہے،

بوڑھے میاں بھی سمجھتے کہ یہ سایہ میری وجہ سے ہے۔ اللہ کی شان کہ جہاں راستے الگ ہوئے اور جدا ہوئے تو بادل نوجوان کے سر پر چلنے لگا۔ تو بڑے میاں نوجوان کی طرف لوٹ کر آئے، انہوں نے آ کر پوچھا کہ تیرا کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ کو تجھ سے اتنا پیار ہے؟ اس نے کہا: میں ایک گناہ گار انسان ہوں کوئی عمل نہیں، صرف اتنی سی بات ہے میں نے سچی توبہ کر کے اللہ کو راضی کرنے کی نیت کر لی ہے، میرے پروردگار نے مجھے دھوپ کی گرمی سے بچانے کے لیے بادل کا سایہ عطا فرما دیا۔ میرے بندے تو میرے ساتھ دوستی کر رہا میں بھی دوستی نبھاتا ہوں۔ میں بھی تو بتاتا ہوں کہ دوستی کیسی ہوتی ہے؟

واقعہ:

چنانچہ ایک مسلمان کا واقعہ شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس کی ایک آتش پرست سے ملاقات ہوگئی، اس نے آتش پرست سے کہا کہ تو میاں! گمراہ ہے، آگ کی پوجا کرتا ہے، آگ مخلوق ہے۔ میں مسلمان ہوں، میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ اب وہ جو آتش پرست تھا، اس نے بھی دلیلیں دیں تو غصے میں مسلمان نے کہہ دیا کہ اچھا! تم آگ کی پرستش کرتے ہو نا! وہ تمہارا خدا ہے، آگ میں تم بھی ہاتھ ڈالو میں بھی ہاتھ ڈالتا ہوں، جو جھوٹا ہوگا آگ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ وہ آتش پرست اس کام سے ذرا گھبرایا۔ مسلمان کو پتہ چلا کہ یہ ہچکچا رہا ہے، اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آگ کے اندر دے دیا۔ اللہ کی شان کہ آگ نے دونوں کے ہاتھ میں سے کسی کے ہاتھ کو بھی نہ جلایا۔ یہ مسلمان دل میں بڑا غم زدہ ہوا، یا اللہ! میں تیری توحید کا قائل ہوں، میرے اوپر تو تیری رحمت ہوئی کہ آگ نے میرا ہاتھ نہیں جلایا۔ یہ تو آتش پرست تھا، یہ تو گمراہ تھا، اس کے ہاتھ کو تو آگ کو جلانا چاہیے تھا۔

جب اس کے دل کی یہ کیفیت ہوئی تو اللہ نے یہ الہام فرمایا کہ میرے پیارے! ہم اس کے ہاتھ کیسے جلاتے؟ جب کہ اس کے ہاتھ کو تم نے پکڑا ہوا تھا۔ ایسے ہی جو بندہ اپنا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتے ہیں، اللہ رب العزت اس کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ أَصْلِحُوْا سَرَائِرَكُمْ تُصْلَحْ عَلَانِيَتُكُمْ

''اے لوگو! تم اپنے من کو ٹھیک کرلو تمہارے تن کو ٹھیک کر دیا جائے گا۔''

یعنی اندر کو تم ٹھیک کرلو اللہ تمہارے ظاہر کو ٹھیک کر دیں گے۔

وَاعْمَلُوْا لِآخِرَتِكُمْ تُكْفَوْا أَمْرَ دُنْيَاكُمْ

''تم آخرت کے لیے اعمال کو کرو تو تمہارے دنیا کے کاموں میں تمہاری کفایت کردی جائے گی۔''

اللہ تمہارے لیے کافی ہو جائے گا۔ آج دیکھتے نہیں کہ کہتے ہیں، کام ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے۔ حضرت بچی کے رشتے تو بڑے آتے ہیں دوسری دفعہ کوئی نہیں آتا۔ حضرت! بچے نے انٹرویو تو بڑے دیے، سب خوش ہوتے ہیں، جاب آفر نہیں ملتی۔ حضرت! پتہ نہیں کیا ہے ڈیل ہوتے ہوتے رہ جاتی ہے۔ یہ جو ہم زندگی میں محسوس کرتے ہیں، کام انجام تک نہیں پہنچتے، ادھورے ہوتے ہیں، یہ برکت نہ ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سرپرست بن جاتے ہیں اور بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو بندے کے کاموں کو سمیٹتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ تعلق جوڑنے والی بات ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی ضمانت:

بخاری شریف کی ایک روایت ہے، پہلی امتوں میں ایک آدمی تھا پردیس میں اس کو پیسوں کی ضرورت پڑ گئی، کوئی واقف بھی نہیں تھا۔ اس نے ایک بندے کو کہا کہ یار مجھے ضرورت ہے مجھے کچھ پیسے ادھار دے دو، میں تجھے واپس کر دوں گا۔ تیرا میرا اللہ ضامن ہے، یہاں میرا کوئی واقف نہیں جسے میں گواہ بناؤں۔ اس نے کہا: چلو ٹھیک ہے، تو اللہ کو ضامن بناتا ہے، میں پیسے دے دیتا ہوں۔ یہ پیسے لے کر گھر چلا گیا۔ اللہ کی شان! وہاں جا کر ایسا مصروف ہوا کہ واپسی کا سفر ممکن نہ ہوا، پھر راستے میں سیلاب آ گیا۔ دریا تھا، کشتیاں بھی نہیں چلتی تھیں۔ اس نے سوچا کہ مجھے قرضہ تو لوٹانا ہے چاہے جو بھی صورت ہو۔ اس نے کیا کیا، ایک لکڑی لی جس کے اندر سوراخ تھا اور اس سوراخ کے اندر پیسے ڈال دیے اور اس بندے کی طرف رقعہ لکھا کہ میں نے اللہ کو ضامن بنایا تھا، جس خدا کو ضامن بنایا تھا میں اسی کے حوالے کر رہا ہوں، وہ تجھے پہنچائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے لکڑی دریا کے اندر ڈال دی، میلوں کا فاصلہ تھا۔ اللہ کی شان! ادھر اس بندے کو لکڑی کی ضرورت تھی، دریا کے کنارے جنگل ہوتے ہیں، تو یہ دریا کے کنارے لکڑی کاٹنے گیا۔ نماز پڑھنی تھی وضو کرنے لگا، ایک لکڑی تیرتی نظر آئی، اس نے کہا کہ میں کاٹ جو رہا ہوں تو اسے ہی کیوں نہ پکڑ لوں؟ چنانچہ پکڑ کر گھر لایا اور اس کو کاٹنے لگا تو اس کے اندر سے رقم نکلی۔ بھئی! یہ روپے کہاں سے آ گئے؟ جب رقم کو اچھی طرح نکالا تو رقعہ بھی نکلا، پتہ چلا کہ یہ اس بندے نے رقم بھیجی تھی جس نے اللہ کو ضامن بنایا تھا۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ اللہ ضامن بنتے ہیں تو پھر اپنے معاملے کو نبھاتے ہیں۔

اللہ کی حفاظت کا عجیب واقعہ:

حضرت قاری صدیق باندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا، جنگل میں کوئی آبادی نہیں تھی۔ اللہ والوں کا یہی حال ہوتا ہے، جہاں جا کر بیٹھتے ہیں، بستیاں آباد ہو جاتی ہیں۔ ع

عشق نے آباد کر ڈالے دشت و کوہسار

چنانچہ اس زمانے کی کرنسی چاندی کے روپے ہوتے تھے۔ تو وہ تعمیرات کے لیے پیسے لے کے وہاں جانے لگے تو اللہ کی شان راستے میں کچھ ڈاکو مل گئے۔ ڈاکوؤں نے دور سے دیکھا کہ ہاتھ میں تھیلا ہے اور بندہ بھی اکیلا ہے تو انہوں نے بھی ارادہ کیا کہ ہم اس سے پیسے چھینیں گے۔ قاری صاحب نے بھی ڈاکوؤں کو آتے دیکھا تو ان کو احساس ہوا کہ یہ ٹھیک بندے نہیں ہیں۔ لو جی قاری صاحب نے کیا کیا وہ پیسے زمین پر رکھ دیے اور چل پڑے۔ اب وہ ڈاکو آئے، انہوں نے دیکھا کہ تھیلے میں پیسے ہیں۔ تھیلا اٹھاتے ہیں تو تھیلا اٹھتا نہیں، بڑا زور لگایا مگر تھیلا ان سے نہ اٹھایا گیا۔ کسی کو ان کے پیچھے بھیجا کہ یہ کوئی کامل نظر آتا ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی راز ہے۔ وہ قاری صاحب کو بلا کے لائے پوچھا کہ اتنا بھاری کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا: دیکھو! میں نے تم لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا، میں سمجھ گیا کہ تمہاری نیت ٹھیک نہیں، میں پیسوں کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا اور یہ پیسے اللہ کے تھے، اللہ کے دین کے لیے دیے گئے تھے، میں نے اس تھیلی کو زمین پر رکھ کر دعا کی اللہ! مال تیرا ہے تو ہی حفاظت کر، میں نہیں کر سکتا۔ اللہ کی شان کہ ان ڈاکوؤں کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے توبہ کی اور ان سے بیعت کی، اور وہ ڈاکو آپ کے مدرسے کی پہلی جماعت کے طالب علم بنے۔ اور پھر ان ڈاکوؤں نے علما بن کر مدرسے کے اندر پڑھایا، ہم اللہ کے ساتھ

اپنے تعلق کو ذرا بڑھائیں تو سہی، پھر دیکھیں اللہ نبھاتے کیسے ہیں، اس لیے فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ (محمد:۱۱)

”ایمان والوں کا تو اللہ سرپرست ہوتا ہے کافروں کا سرپرست کوئی بھی نہیں ہوتا“

(۳) رزق میں برکت:

اگلی بات، جب کوئی اللہ کا دوست بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق کے اندر برکتیں عطا فرماتے ہیں۔ آج ذرا دیکھیں کتنے گھر ایسے ہیں کہ جتنے گھر کے لوگ اتنے ہی کمانے والے مگر خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے۔ جتنے گھر کے لوگ اتنا جاب کرنے والے، خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے۔

بے برکتی کی مثال:

میرے پاس ایک منیجر صاحب آئے وہ دو ٹیکسٹائل ملوں کے منیجروں کے اوپر جنرل منیجر تھے۔ لاکھوں میں ان کی تنخواہ تھی، میاں بیوی کے بعد ان کے تین بچے تھے اور وہ بھی سکول میں تھے، کالج میں بھی کوئی نہیں جاتا تھا۔ وہ آنسوؤں سے رو پڑے، کہنے لگے: حضرت! دعا کریں، میرے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ گاڑی مل والوں نے دی ہے، ڈرائیور انہوں نے دیا سیکورٹی والے انہوں نے دیے۔ خود کہنے لگے کہ حضرت میں دو لاکھ روپیہ ٹیکس فری اپنے گھر لاتا ہوں، ٹیکس میرا مالک ادا کرتا ہے۔ اب جس بندے کے تین بچے ہوں اور وہ گھر میں دو لاکھ روپیہ مہینے کی سیلری لاتا ہو اور وہ آنسوؤں سے روئے کہ حضرت میرے خرچے پورے نہیں ہوتے اور ایک

تین ہزار تنخواہ پانے والا پانچ بچوں کے ساتھ مزے کی زندگی گزار رہا ہے، صبر کی زندگی۔ تو معلوم ہوا کہ ادھر برکت ہے ادھر برکت نہیں ہے۔

قرآن کا پیغام:

تو جب انسان اللہ کا ولی بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ رزق کے اندر برکتیں عطا فرما دیتے ہیں۔ سنیے قرآن عظیم الشان:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف:۹۶)

''اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کو اختیار کرتے، اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازوں کو کھول دیتے''

تو معلوم ہوا کہ پرہیزگاری کی زندگی گزارنے سے برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ ایسی طرف سے رزق دیتے ہیں:

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق:۳)

''بندے کو رزق دیتے ہیں جس کا وہم گمان ہی نہیں ہوتا''

برکت کی مثالیں

(۱)......اب رزق کی ایک مثال سنیے کہ برکت کیا ہوتی؟ ایک عرب تھا جو بادشاہِ ہند کا طبیب تھا، جب جانے لگا تو بادشاہ نے اس کو اپنی طرف سے ہدیے میں سنگترے دیے، وہ دل میں بڑا غم زدہ ہوا کہ **Expectations** (توقعات) بہت زیادہ تھیں کہ بادشاہ ہے، ہیرے جواہرات دے گا، مال و متاع دے گا اور اس نے مالٹے دیے۔ لیکن صبر والا تھا، خاموشی سے لے کر چل پڑا۔ اب سفر کر رہا تھا، راستے میں ایک

ایسے ملک میں پہنچا کہ جہاں بادشاہ کا بیٹا بیمار تھا اور اطباء نے کہا تھا کہ اس کا علاج سٹرس استعمال کرنے میں ہے، مالٹا کھانے میں ہے۔ اور اس ملک کی آب و ہوا ایسی تھی کہ مالٹے نہیں ہوتے، اب لوگ مالٹے ڈھونڈ رہے تھے۔ جب کشتی میں دیکھا کہ مالٹے ہیں تو بادشاہ کو اطلاع پہنچی، بادشاہ نے بلا لیا، اس نے کہا کہ بھئی! برائے مہربانی مالٹے دے دیں، میں اپنے بچے کے لیے اس کو استعمال کروں گا۔ اس نے مالٹے دے دیے، بچے نے استعمال کیے، اللہ نے صحت دے دی۔ اس بادشاہ نے بوری بھری ہوئی درہم اور دینار کی اس کو انعام کے طور پر دے دی۔ اب یہ بوری بھری ہوئی درہم و دینار کی لے کر گھر گیا تو بڑا خوش تھا۔ جب گھر سے واپس آیا تو شاہ ہند نے پوچھا کہ مالٹوں کا کیا بنا؟ اس نے واقعہ سنایا تو واقعہ سننے کے بعد بادشاہ نے کہا کہ تو نے سستے بیچے۔ تو نے فقط درہم و دینار کی ایک بوری کے بدلے بیچ دیے! اس نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ کہا کہ ہاں تجھے کیا پتہ کہ یہ سنگترے کیسے آئے؟ آج رات میرے ساتھ چلنا۔

رات ہوئی تو اس بادشاہ نے بھیس بدلا اور اس بندے کو لے کر شہر کے اندر چلا گیا۔ ایک لوہار کی دکان تھی، اس کے پاس گیا تو اس نے برسنا شروع کر دیا: ایک چھٹی مانگی تھی، جلدی آنا چاہیے تھا، دیر سے کیوں آیا؟ اس نے کہا: مجھے معاف کر دیں آنے میں دیر ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے لوہا کوٹنا شروع کر دیا۔ یہ بندہ حیران کہ یہ بادشاہ اور اس لوہار کا لوہا کوٹ رہا ہے، ہدان چلا رہا ہے! چنانچہ کئی گھنٹے اس نے لوہا کوٹا تو اس لوہار نے اس کو ایک پیسہ دو پیسہ اجرت کے طور پر دیے۔ یہ لے کر نکلا۔ کہنے لگا: دیکھ! میں رزق حلال کے لیے گھنٹوں ہتھوڑا چلا کر پسینا بہاتا ہوں اور میرا رزق یہ چند پیسے ہیں، ان پیسوں سے میں نے سنگترے خرید کر تجھے ہدیہ دیا تھا، یہ اس رزق حلال کی وجہ ہے کہ اللہ نے تیرے مال میں برکت عطا فرما دی۔

(۲)...... جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بندہ آیا، کہنے لگا حضرت حج کا ارادہ ہے لیکن پیسے نہیں ہیں۔ آپ نے چونی نکالی اور اس کو دے دی، بھئی! ضرورت پڑے تو خرچ کر دینا، اس نے کہا جی بہت اچھا۔ بستی سے باہر نکلا، ایک قافلہ جا رہا تھا، سلام دعا ہوئی، پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ حج کے لیے۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں جا رہے؟ اس نے کہا میں نے بھی حج پر جانا ہے۔ وہ کہنے لگے یار ہمارے پاس ایک سواری فالتو ہے، اونٹ فالتو ہے، ایک بندے نے آنا تھا وہ نہیں آسکا، اگر آنا ہے تو اس پر بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا بہت اچھا، سواری بھی مل گئی قافلے والے بھی مل گئے۔ وہ سارا راستہ اس کو کھانا بھی کھلاتے رہے، اکرام بھی کرتے رہے، حتیٰ کہ اس نے حج مکمل کر لیا۔ واپس جانے کے لیے پھر جہاں سے ٹرانسپورٹ ملتی تھی، اونٹ ملتے تھے، وہاں پہنچا۔ دیکھا تو ایک اور قافلہ واپسی کے لیے تیار ہے، انہوں نے کہا کہ یار ایک بندہ حج کے لیے آیا تھا فوت ہو گیا اونٹ خالی ہے، اگر جانا ہے تو آ جاؤ، تو یہ پھر اس اونٹ پر بیٹھ گیا۔ کھانا بھی انہوں نے کھلایا، خدمت بھی کی، اپنی بستی میں اترا۔ پھر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور حال بتانے لگا کہ بڑی سہولت کے ساتھ اور بڑے مزے کے ساتھ حج کیا اور حضرت میرا خرچہ تو کوئی نہیں ہوا۔ جب اس نے کہا کہ حضرت! خرچہ کوئی نہیں ہوا، حضرت نے کہا: اچھا! میری چونی واپس کرو، اللہ والوں کی چونی بھی خرچ نہیں ہوتی، اللہ ایسی برکتیں دے دیتے ہیں۔

(۳)...... ایک بزرگ سے بیٹے نے پوچھا: ابو برکت عملاً کہتے کس کو ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹے یہ گیزر لگا ہوا دیکھ رہے ہو؟ جی دیکھ رہا ہوں، فرمایا: تمہاری عمر ہے، بتیس سال، یہ گیزر تمہاری پیدائش سے پہلے میں نے لگوایا تھا، آج تک سلامت چل رہا ہے اس کو برکت کہتے ہیں اور جب برکت نہیں ہوتی، تو روز پھڈا ہوتا ہے، آج یہ جل گیا

کل یہ جل گیا، خرچے ہی پورے نہیں ہوتے۔

نکتے کی بات:

نکتے کی بات کچھ گھوڑے ہوتے ہیں عام، وہ چندرہ ہزار، بیس ہزار کے مل جاتے ہیں، کچھ ہوتے ہیں دوڑ کا مقابلہ جیتنے والے گھوڑے، ان کو کہتے ہیں گھڑ دوڑ کے گھوڑے۔ ان کی قیمتیں سبحان اللہ! پانچ لاکھ، دس لاکھ اور پندرہ لاکھ۔ ہمارے ایک قریبی دوست ہیں، چوہدری صاحب، فرمانے لگے کہ میرے گھوڑے کی قیمت پچیس لاکھ لگ چکی ہے۔ ایک گھوڑے کی قیمت پچیس لاکھ، تو اِدھر پچیس ہزار اور اُدھر پچیس لاکھ کیوں؟ مقابلہ جیتنے والا گھوڑا ہے، عام گھوڑا نہیں ہے۔ اب اس گھوڑے کے مالک سے کوئی مانگے، جی مجھے اپنا پچیس لاکھ والا گھوڑا دے دو، میں نے ذرا گدھا گاڑی میں استعمال کرنا ہے، تو کیا وہ دے گا؟ کہے گا مت ماری گئی تمہاری؟ عقل ماؤف ہوگئی ہے تمہاری؟ یہ گھوڑا گدھے گاڑی میں باندھنے کے قابل ہے؟ جس طرح گھڑ دوڑ کے گھوڑے کو ہم گدھا گاڑی میں باندھنا پسند نہیں کرتے، اللہ والے جو دین کا کام کر رہے ہوتے ہیں، وہ بھاگتے گھوڑے کی مانند ہوتے ہیں۔ اللہ ان کو دنیا کی گدھے گاڑی میں الجھانا پسند نہیں کرتے، ان کے کام نہیں اٹکتے، اللہ ان کے کام سنوار دیتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی وکالت:

اگلی بات جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾

”اللہ ہمارے لیے کافی ہے، وہ بہترین سرپرست ہے اور بہترین وکیل ہے“

وکیل ہوتا ہے نا بندے کے کام کروانے کے لیے۔ آپ دیکھیں! گھروں میں بیٹے کا کوئی مسئلہ ہو، باپ بولتا ہے وکیل بن کر، آپ مجھ سے بات کریں، آپ کو میرے بیٹے سے کیا مسئلہ ہے؟ اگر کسی کی بیوی سے کوئی بات کرنا چاہے تو خاوند کہتا ہے بھئی! مجھ سے بات کریں، مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ اسی طرح اللہ رب العزت اپنے بندوں کے وکیل بن جاتے ہیں اور ان کے کاموں کو سنوارتے ہیں۔

اب ذرا سنیے مثالیں:

◉ منافقین کو جب کہا گیا کہ تم ایمان لے آؤ تو انہوں نے کہا:

﴿اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾ (البقرۃ:۱۳)

''کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بے وقوف ایمان لے آئے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کو انہوں نے بے وقوف کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فقرے کو وہیں مکمل کر کے جواب دیا۔ فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ﴾

''یہ خود بیوقوف ہیں''

جیسے بیٹے کی بات باپ نہیں سن سکتا، خاوند کے متعلق بات بیوی نہیں سن سکتی، فوراً جواب دیتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں پر بات نہیں سن سکتا، فوراً قرآن میں خود اس کا جواب عطا فرمایا۔

◉ ایک بندے نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون کہہ دیا کہ جی یہ تو مجنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیاں دیں:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝﴾ (قلم:۱۔۲)

”قلم کی اور جو اہلِ قلم ہیں ان کی قسم آپ اللہ کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں“

کیا محبت بھری بات ہے! اے میرے محبوب! آپ اللہ کی رحمت کے ساتھ مجنون نہیں ہیں، تسلی دینے کے بعد فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ○ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ○﴾ (القلم: ۱۰-۱۳)

”ایسے شخص کے کہنے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا اور ذلیل ہے، جو طعنے دینے والا چغلیاں کھانے والا ہے، نیکی سے روکنے والا، حد سے بڑھا گناہگار ہے، بڑا اجڈ اور اس کے بعد بد اصل بھی ہے“

اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو نو الفاظ کہے، ہم جن الفاظ کو اپنی زبان میں گالی سمجھتے ہیں، ایک کے بدلے نو لفظ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہے۔ میرے محبوب کو تو مجنون کہتا ہے، میں تجھے جواب نہ دوں؟ آپ سنیے! اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کا کیسے دفاع فرماتے ہیں؟

◉ خولہ بن ثعلبہ بوڑھی عورت ہے، خاوند نے ناراض ہو کر کہہ دیا تو میرے لیے ماں کی مانند ہے۔ اب یہ ظہار ہے، بیوی کو ایسے کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اے اللہ کے رسول ﷺ! اب میں بوڑھی ہو گئی، میں دوسرے نکاح کے قابل بھی نہیں، میری اولاد بھی ہے، اب اگر میں الگ ہو جاؤں تو میں اولاد کو پال بھی نہیں سکتی۔ خاوند نے یہ الفاظ کہہ دیے تو وہ چاہتی تھی کہ نبی ﷺ میرا ساتھ دیں ورنہ میں بے سہارا ہو جاؤں گی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سے تو طلاق ہو جاتی ہے۔ وہ آئی اور رونا شروع کر دیا، پھر پوچھا، نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں طلاق ہو جاتی ہے۔ اب جب اس نے دیکھا کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے تو فیصلہ دے دیا، ہائی

کورٹ نے فیصلہ دے دیا تو اب وہ سپریم کورٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قرآن مجید میں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾

(مجادلہ:۱)

ہم نے سن لی اس بوڑھی عورت کی پکار، جب وہ آپ سے اپنے خاوند کے معاملے میں بات کر رہی تھی اور وہ اللہ کی جناب میں شکایت کرتی تھی۔

پروردگار آپ کتنے بڑے ہیں کہ جو بندہ آپ کی طرف رجوع کرتا ہے آپ اس کے ساتھ دوستی کا حق نبھا دیتے ہیں۔

◉ نبی علیہ السلام کے پاس ایک مرتبہ قریشِ مکہ آئے تو آپ ﷺ ان کو دین سمجھا رہے ہیں، دین کی طرف بلا رہے ہیں۔ اتنے میں ایک نابینا صحابی آئے، وہ نبی علیہ السلام سے کوئی بات پوچھنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو کہا بھئی ذرا بیٹھ جاؤ! میں بات کر رہا ہوں، تو فوری جواب نہیں دیا۔ اس کا آنا پھر اس کا بیٹھ جانا پروردگار کو اتنا عجیب لگا کہ قرآن مجید میں آیات اتار دیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝﴾ (عبس:۱۔۶)

ان الفاظ کا ترجمہ کرنے کی ہمت نہیں، اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ سے محبوبانہ خطاب فرمایا۔ میرے ایک بندے کے ساتھ آپ نے کیوں سرد مہری کا معاملہ فرمایا؟ اور نبی ﷺ کا نکتۂ نظر (Point of view) بھی ٹھیک تھا کہ طبیب کے پاس دو مریض آئیں، ایک کینسر کا اور دوسرا نزلے زکام کا مریض ہو تو وہ نزلے زکام والوں کو بٹھا کر کینسر والے کو ایمرجنسی ڈیل کرے گا۔ یہ قریشِ مکہ شرک کے کینسر میں

جلاتے تھے، تو طبیب اعظم چاہتے تھے کہ یہ کہیں باطن کی موت نہ مر جائیں، یہ تو ایک بات پوچھنے آیا ہے، اپنا ہے، نزلے زکام کا علاج بعد میں کر لیں گے۔ اللہ کے حبیب ﷺ بھی ٹھیک سمجھ رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے محبوبانہ خطاب فرما دیا، اللہ والے لاوارث نہیں ہوتے، اللہ ان کا وارث ہوتا ہے اور جس کا وارث اللہ بن جائے سوچیے ان کی زندگی کیا ہوتی ہے؟

(۵) غم میں تسلیاں:

اسی لیے اگر دنیا میں کوئی غم پہنچتا ہے تو اللہ اپنے اولیاء کو تسلیاں دیتے ہیں۔ جیسے کسی بندے کو صدمہ پہنچے، آپ اس کی مارل سپورٹ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس بندے کی مارل سپورٹ کرتے ہیں۔

دیکھیے نبی ﷺ کو کفار مکہ الفاظ سے طعنے دیتے تھے، کبھی ساحر کہہ دیتے، کبھی مجنون کہہ دیتے تو ان الفاظ کو سن کر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو دکھ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ تسلی دے رہے ہیں، فرماتے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ (الحجر:۹۷)

”ہم جانتے ہیں جو لوگ (کفار مکہ) یہ باتیں کرتے ہیں آپ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔“

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ (الحجر:۹۸)

”آپ اللہ کی تسبیح بیان کیجیے اور سجدے کیجیے۔“

ان سجدے کرنے اور نمازوں کے پڑھنے سے اللہ آپ کے دل کے غم کو دور کر دیں گے۔ قرآنی نسخہ آزمودہ اور مجرب نسخہ، جب بندے کو حاسدین سے، مخالفین سے، دشمنوں سے کسی طرح کی تکلیف پہنچے، دل بڑا غم زدہ ہو، نہ غیبت کریں، نہ اینٹ

کا جواب پتھر سے دیں، کچھ نہ کریں۔ قرآن مجید نے فرمایا: آپ دو کام کریں ﴿وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ آپ دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھالیں، اللہ آپ کے غم کو دل سے ختم فرما دے گا، یہ قرآن مجید کا نسخہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ (روم: ۶۰)۔

''صبر کیجیے اللہ کا وعدہ سچا ہے''

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ (المدثر: ۷)

''اپنے رب کیلیے صبر کیجیے''

جیسے ماں اپنے بیٹے کے لیے نصیحت کرتی ہے اس کے لیے چپ ہو جا۔ بالکل یہی انداز کہ اللہ کے لیے آپ صبر کر لیجیے۔

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ (ق: ۳۹)

''جو وہ باتیں کرتے ہیں ان کے اوپر صبر کر لیجیے''

ایک جگہ فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ۴۸)

''آپ صبر کیجیے آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں''

ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ تسلی دے رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے، وہ خود فرماتے تھے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ مجھے الہام فرماتے اور کہتے: ''عبدالقادر! تجھے میرے اس حق کی قسم جو میرا تجھ پر ہے کہ میں خدا ہوں، خالق ہوں، رب ہوں، عبدالقادر!

تجھے میرے اس حق کی قسم جو میرا تجھ پر ہے، ذرا اچھے کپڑے پہن کہ میں تجھے دیکھوں''۔ جو اللہ سے دوستی لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ دوستی کو نبھاتے ہیں۔

؎ ہر مرحلۂ غم پہ ملی دل کو تسلی
ہر موڑ پہ گھبرا کے تیرا نام لیا ہے

(۶) حفاظتِ جان و مال:

پھر اللہ رب العزت اپنے اولیا کی جان مال عزت آبرو کی حفاظت فرماتے ہیں۔ دیکھیے! اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ:۶۷)

(اے میرے حبیب ﷺ!) اللہ آپ کی انسانوں سے حفاظت فرمائیں گے۔

تو جان کی بھی حفاظت فرمائی سبحان اللہ۔

◎ ایک بزرگ تھے، بادشاہِ وقت ناراض ہو گیا، اس نے کہا: لے آؤ ان کو میں ان کو شیر کے آگے ڈالوں گا۔ تو اس زمانے میں پھانسی چڑھانے کی بجائے شیر کے آگے ڈال کے اپنا غصہ نکالا جاتا تھا۔ ان کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی تو ان کی بیوی رونے لگی۔ جب بھوکے شیر کے سامنے ان کو پھینکا گیا، شیر ان کی طرف آیا اور آ کر ان کے پاوں چاٹنے لگا۔ وزیر سمجھدار تھا، اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت! یہ باخدا بندہ ہے اگر اس کے ہاتھ اٹھ گئے یا اسکی زبان سے کوئی بددعا نکل گئی تو آپ کی نسلیں برباد ہو جائیں گی، بہتر ہے کہ اس سے معافی مانگ لیں۔ بادشاہ نے انہیں بلوایا، معافی مانگی اور کہا کہ مجھ سے مس انڈرسٹینڈنگ ہو گئی اور واپس گھر بھیج دیا۔ اب یہ گھر واپس آئے تو بیوی کو توقع ہی نہیں تھی کہ بچ کر آئیں گے، وہ رو رہی تھی۔ اچانک خاوند کو دیکھا تو حیران، اچھا آپ صحیح سالم آگئے! تو انہوں نے واقعہ سنایا کہ مجھے شیر کے سامنے کے

ڈلوادیا گیا مگر شیر نے میرے پاؤں چاٹنے شروع کر دیئے۔ وہ یہ بات سن کر بڑی خوش ہوئی۔ مگر بیوی بیوی ہوتی ہے، کہنے لگی: اچھا ایک بات سچی سچی بتائیں، شیر جب آپ کی طرف چل کر آرہا تھا آپ اس وقت دل میں کیا سوچ رہے تھے؟ یعنی کتنا ڈر تھا؟ وہ فرمانے لگے کہ میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں اس کا لعاب پاک ہوتا ہے یا ناپاک ہوتا ہے۔ اللہ والوں کے دل میں اتنا بھی موت کا ڈر نہیں ہوتا۔

◉ اس عاجز کے سسر محترم حضرت امام العلماء والصلحاء خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے پارٹیشن سے پہلے دہلی کے قریب ایک جگہ تھی، آج کل اس کا نام غازی آباد ہے، وہاں مدرسہ بنایا تھا۔ قرآن مجید کی کلاسیں ہوتی تھیں، تین چار سو طلبا وہاں پڑھتے تھے۔ جب پارٹیشن ہونے لگی تو اساتذہ نے کہا کہ حضرت! مدرسہ بند کر دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھئی: اللہ کا قرآن پڑھنا کیسے بند کروادوں پڑھنے دو۔ اب مدرسہ کے اندر تین چار سو طلبا تھے اور قریب ہی سکھوں کی آبادی تھی۔ ایک دن مدرسے کے استاد باہر نکلے تو انکو، وہاں کا ایک سکھ ملا، اس نے کہا: میاں جی! بات کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بتاؤ! اس نے کہا: کیا تم لوگوں نے فوج منگوائی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، کیوں؟ اس نے کہا کہ یہ جو قریب کی بستیوں والے سکھ ہیں نا تین مرتبہ انہوں مشورہ کیا کہ کرپانیں تلواریں، خنجر لے کر نکلیں اور ہم ان مسلمانوں کے بچوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیں لیکن عجیب بات ہے کہ جب وہ جاتے تھے تو مدرسے کے باہر پولیس نظر آتی تھی، فوج نظر آتی تھی۔ تو تم نے فوج منگوائی ہے؟ تو انہوں نے اس کو جو جواب دینا تھا دے دیا۔ جب واپس آئے تو انہوں نے یہ بات خواجہ صاحب کو بتائی کہ حضرت وہ سکھ یہ بات کر رہا ہے۔ حضرت کتاب ''تجلیات'' میں لکھتے ہیں کہ یہ اللہ کے حفاظت کرنے والے فرشتے تھے جوان کو اس شکل میں نظر آئے۔ اور وجہ

اس کی یہ تھی کہ میرے مدرسے کے اندر گناہ نہیں تھا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مدرسے میں بڑے چھوٹے بچوں کو آپس میں مکس نہیں ہونے دیتے تھے، تربیت کرتے تھے، طلبا نیکی والے تھے، قرآن پڑھنے والے تھے۔ یہ گناہوں سے بچنے کی وجہ تھی کہ اللہ نے ان کی حفاظت فرمادی۔ تو اولیاء اللہ کی جان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

⑨ اور پھر اولیاء اللہ کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ان کا مال پھنتا نہیں ہے۔ کئی لوگوں کا مال لوگوں کے پاس پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ پچاس اس نے دینے ہیں، لاکھ اس نے دینے ہیں، دو لاکھ اس کے پاس پھنس گئے، کنٹینر اس کے پاس پھنس گیا۔ لوگوں کو ہضم ہو جاتا ہے، اللہ والوں کا مال نہیں پھنتا۔ اللہ حفاظت فرمانے والا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۃ کہف کے اندر واقعہ ہے، حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام نے ایک دیوار بنائی جو دو یتیم بچوں کی تھی:

﴿یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَۃِ﴾ (الکھف:۸۲)

تو خضر علیہ السلام نے بتایا کہ ان کے والد نیک تھے۔

﴿وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ (الکھف:۸۲)

ان کا باپ نیک تھا، اور اللہ چاہتے تھے کہ بچے چھوٹے ہیں خزانہ کھل جائے گا تو لوگ لوٹ کر لے جائیں گے، یہ بڑے ہوں گے تو اپنے خزانے کی خود حفاظت کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے صدقے وہ دیوار بنوا دی، اب ذرا سنیے:

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

كَانَ بَیْنَ الْغُلَامَیْنِ وَ بَیْنَ الْاَبِ الصَّالِحِ سَبْعَۃُ اٰبَآءٍ

”ان بچوں اور ان کے اجداد میں جو نیک بزرگ تھے ان کے درمیان سات سیڑھیاں گزر چکی تھی۔“

سات پشتوں پہلے کوئی اللہ کے ولی گزرے تھے اور اللہ ساتویں پشت میں ان کے

مال کی حفاظت فرما رہے ہیں۔

◉ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، اللہ نے حفاظت فرمائی۔

اس امت کے اندر مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ایک بزرگ تھے ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ ان کو بلایا، میری نبوت کو مانو، اس نے کہا کہ تو پکا جھوٹا ہے۔ آگ میں ڈالا گیا آگ نے اثر نہیں کیا، چھوڑ دیا۔ ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس بندے کو دیکھا کہ اجنبی نظر آتا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون ہو؟ تو فرمایا کہ جی میں فلاں جگہ سے آیا ہوں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس جگہ کے کسی بندے کو مسیلمہ کذاب نے آگ میں ڈالا اور اللہ نے ان کو بچا لیا۔ انہوں کہا: جی ہاں، حضرت! وہ میں ہی ہوں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحمد للہ کہ اللہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے حضرات پیدا کر دیے جن کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو پہلے وقت میں انبیا (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ ہوا تھا۔

(۷) عزت کی حفاظت:

◉ جان کی حفاظت فرماتے ہیں، مال کی حفاظت فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ عزت کی حفاظت فرماتے ہیں۔ چنانچہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام جا رہے ہیں بی بی سارہ کے ساتھ، راستے میں ظالم بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے ورکرز کو کہا ہوا تھا کہ تمہیں جہاں کہیں ہینڈسم لڑکی مل جائے میرے پاس لے آنا۔ جن کے کریکٹرز خراب ہوں، ان کو اگر اختیار ملے تو ایسے ہی کام کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس بی بی سارہ تھیں، اللہ نے ان کو بہت حسن و جمال دیا تھا، پولیس والوں نے ان کو گرفتار کر لیا، اور لے گئے۔ معذور تھے، مجبور تھے، کیا کر سکتے تھے؟ اب رات ہوئی تو بادشاہ آنا چاہتا تھا کہ اپنی بدنیتی کا معاملہ پورا کرے، جیسے ہی ان کی طرف ہاتھ بڑھایا، ہاتھ مفلوج ہو

گیا، شل ہو گیا۔ اس پر اس نے معافی مانگنی شروع کر دی، انہوں نے کہا ٹھیک ہے، چلو معاف کیا، ہاتھ درست ہو گئے۔ پھر بدنیتی ہو گئی، پھر ہاتھ شل ہو گئے۔ اس طرح جب تین دفعہ ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی عام عورت نہیں، یہ اللہ کی کوئی بہت مقبول عورت ہے۔ اس نے بی بی سارہ کو بھی آزاد کر دیا اور زینی ایک خادمہ کو جس کا نام تھا ہاجرہ، ان کی خادمہ بنا دیا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ بی بی سارہ نے فرمایا کہ

كَفَّ اللّٰهُ عَنِّيْ يَدَ الْفَاجِرِ وَاَخْدَمَنِيْ هَاجَرَةَ

''اللہ نے اس فاسق و فاجر کے ہاتھ سے مجھے محفوظ رکھا اور اور خدمت کے لیے اللہ نے ہاجرہ بھی عطا فرما دی''

تو اللہ رب العزت سے جو دل لگاتا ہے، ولی بنتا ہے، اللہ اس کی جان اسکے مال، اسکے ایمان، اس کی عزت آبرو، ہر چیز کی خود حفاظت فرماتے ہیں۔

(۸) مدد و نصرت:

پھر اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کی مدد اور نصرت فرماتے ہیں، ذرا سنیے اس بات کو یہ عاجز کھولے گا نہیں ورنہ یہ لمبی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی کیسے کیسے مدد فرمائی؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾

''تم یاد کرو اس وقت کو جب تم زمین میں تھوڑے تھے، کمزور تھے''

﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ﴾

''تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں چنانچہ اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا''

﴿وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

(الانفال:۲۶)

''اس نے اپنی مدد سے تمہیں مضبوط کیا اور کھانے کو پاکیزہ پھل دیے تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کر سکو''

تو وہ کمزوروں کی یوں مدد فرماتے ہیں۔

حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ))

''جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے، میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔''

اب اللہ اعلان جنگ فرما رہے ہیں، اس کا کیا معنی؟ جیسے دنیا میں کہتے ہیں کہ میاں! ذرا ہاتھ لگا کے تو دیکھو میرے بچے کو، او جی! میری لاش سے گزر کے جاؤ گے، پھر میرے بچے کو ہاتھ لگاؤ گے۔ بالکل یہی مفہوم ہے اس بات کا کہ اللہ فرماتے ہیں۔

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء:۱۴۱)

''اور اللہ کافروں کو نہیں دیتا مومنوں کے اوپر کوئی راستہ''

پہلے میرے ساتھ نمٹو گے تب میرے ایمان والوں کو تم ہاتھ لگا پاؤ گے۔

نصرت کے نمونے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیا کامیابیاں عطا فرمائیں؟ باقی باتیں تو ذرا سمجھ میں آنے والی ہیں، ایک بات سمجھ میں آنے والی نہیں، وہ کیا؟ کہ مدینہ کے قریب یہودیوں کی بستیاں تھیں۔ ان یہودیوں کے مکان اس عاجز کو دیکھنے کا موقع ملا ڈیڑھ میٹر موٹی پتھروں کی دیوار تھی۔ ہمارے ہاں تو نو انچ کی دیوار ہوتی ہے نا اور بنیاد تیرہ انچ کی ہوتی ہے، ان کی دیواریں ڈیڑھ میٹر چوڑی تھیں۔ اتنے مضبوط گھر اور قلعے بنائے ہوئے تھے۔ میں نے قلعہ خیبر کو دیکھا، اتنی ہی مضبوط دیواریں تھیں۔ تو وہ جو یہودیوں کے قلعے تھے، مسلمان سمجھتے تھے کہ ہم ان کو فتح نہیں کر سکتے اور یہودی

بھی سمجھتے تھے کہ مسلمان ان قلعوں کو فتح کر ہی نہیں سکتے۔ دونوں طرف سے انڈر سٹینڈنگ اسی طرح کی تھی۔ اللہ نے ارادہ کر لیا۔ قرآن پاک میں ہے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا، مل کر مشورہ کرنے لگے: یار! یہ مسلمان جدھر جاتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں، تو ایسا نہ ہو کہ کبھی ہماری طرف ہی ارادہ کر لیں۔ تو ایک نے کہا کہ یار To be on the safe side (بہتر تو یہ ہے) کہ اپنے مال بچوں کو جانوروں کو یہاں سے شفٹ کر لو۔ انہوں نے اس پر فیصلہ کر لیا۔ اب وہ تو اپنا مال پہلے ہی لے جا رہے تھے، گھر خالی کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو بھی اطلاع مل گئی، اب مسلمانوں نے ان کی طرف چڑھائی کی۔ اب قرآن مجید کی آیات سنیے، آپ علما ہیں اور ترجمہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو ناقابلِ تسخیر چیزیں ہوتی ہیں، قلعے ہوتے ہیں اللہ ارادہ فرما لیتے ہیں تو کیسے فتح کرواتے ہیں؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا﴾

"وہی تو ہے جس نے کفارِ اہلِ کتاب کو حشر کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا، تمہارے خیال میں بھی نہیں تھا کہ تم ان کو نکال سکو گے"

﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾

"اور ان یہودیوں کا بھی یہی گمان تھا کہ ان کے قلعے اللہ راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔"

﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾

"اللہ ایسی طرف سے آیا جس کا ان کو گمان ہی نہ تھا"

﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾

''ان کے دلوں میں اللہ نے مسلمانوں کا رعب پیدا کر دیا''

﴿ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾

اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنے لگے اور مسلمانوں نے بھی بھاگنے میں ان کی مدد کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ﴾ (الحشر:۲)

''آنکھوں والو عبرت حاصل کرو!''

جب میں مدد کرنے پر آجاتا ہوں تو نہتے بندوں سے ناقابل تسخیر قلعوں کو فتح کروا کے دکھا دیتا ہوں۔

اللہ رب العزت مدد فرماتے ہیں۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ کیا فرما رہے تھے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

(۹) اولاد کا لحاظ:

اب ایک اور بات کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو یہی نہیں کہ اس بندے سے محبت فرماتے ہیں، اس بندے کی اولاد کے ساتھ بھی محبت فرماتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سات پشتوں تک اس بندے کی اولاد کے ایمان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ روح المعانی تفسیر میں لکھا ہے، ذرا سنیئے! بات عجیب ہے!

طُوْبٰی لِلذُّرِّیَّةِ الْمُؤْمِنِ ثُمَّ طُوْبٰی لَهُمْ کَیْفَ یُحْفَظُوْنَ مِنْ بَعْدِهٖ

''مبارک ہو اللہ والوں کی اولاد کو پھر مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ اللہ والوں کی

اولاد کی ان کے جانے کے بعد کیسے کیسے حفاظت فرماتے ہیں۔"

اس لیے ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ ہمارے بڑوں کی دعائیں ہمارے گرد پہرہ دیا کرتی ہیں۔ جو نیکی تقویٰ کی زندگی اختیار کرتا ہے، اللہ رب العزت پھر اس کا محافظ خود بن جاتا ہے۔ تفسیر مظہری کی عبارت سنیے:

قَالَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَحْفَظُ بِصَلَاحِ الْعَبْدِ وَلَدَهٗ وَ وَلَدَ وَلَدِهٖ وَ عِتْرَتَهٖ وَ عَشِيْرَتَهٗ وَ اَهْلَهٗ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ مَادَامَ فِيْهِ

اللہ تعالیٰ بندے کے نیک بننے پر اس کی اولاد کی حفاظت فرماتے ہیں۔ وَ وَلَدَ وَلَدِهٖ اور اولاد کی اولاد کی حفاظت فرماتے ہیں۔ پوتوں کی، پوتیوں کی، نواسوں نواسیوں کی۔ وَ عِتْرَتَهٗ اور گھر کی جو فیملی ہوتی ہے، اللہ اس کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔ وَ عَشِيْرَتَهٗ اور اللہ تعالیٰ ان کی فیملی کی خاندان قبیلے کی حفاظت فرماتے ہیں۔ وَ اَهْلَهٗ اور جو ان کے گھر کے قریب گھر ہوتے ہیں، اللہ ان گھر والوں کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ مَادَامَ فِيْهِ جب تک وہ بندہ رہتا ہے، اللہ قریب کے گھروں کی بھی حفاظت فرما رہے ہوتے ہیں۔ واہ میرے اللہ! آپ کتنے بڑے ہیں اور آپ سے دوستی لگانے کا کیا عجیب ثمر ملتا ہے!

(۱۰) دعائیں قبول:

پھر جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی لگاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ جیسے بچہ روئے تو ماں فوراً (Responce) کرتی ہے (متوجہ ہوتی ہے) کیوں؟ مربیہ ہے، تربیت کرتی ہے، پالتی ہے۔ اب بندے کو اللہ پالتے ہیں، جب بندہ روتا ہے تو اللہ رب العزت فوراً رسپونس کرتے ہیں، حدیث پاک میں ہے:

((وَ اِذَا سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ))

میرا ولی جب مجھ سے مانگتا ہے میں اس کی دعا پر اس کو ضرور عطا فرما دیتا ہوں۔

«اِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ»

وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے کسی کے بارے میں اس کو پناہ عطا فرماتا ہوں۔

فرمایا: میرے ایسے بھی بندے ہیں۔

«لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ»

کہ وہ قسم اٹھا کر کوئی بات کر دیں۔ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ان بندوں کی قسم کو پورا کر کے دکھا دیتا ہوں۔

تو چاہتا کیا ہے عبد میرے ذرا لب تو ہلا سبحان اللہ

(۱۱) مخلوق کے دل میں رعب:

پھر ایک بات اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل میں ان کا رعب پیدا کر دیتے ہیں۔ اللہ والوں کو ایک خاص وجاہت نصیب ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ

رعب کے ذریعے اللہ نے میری مدد فرمائی۔

حدیث پاک میں ہے نبی ﷺ جہاں سفر کرتے تھے مَسِيْرَةَ شَهْرٍ آپ کا رعب آپ سے ایک مہینے کی مسافت آگے چلا کرتا تھا۔ ایک مہینے کی مسافت تک جو آگے لوگ ہوتے تھے، ان کے دل کے اوپر نبی کا رعب ہوتا تھا۔

نہ تاج و تخت میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

بادشاہ، اللہ والوں کے خادم:

یاد رکھنا دنیا کے بادشاہوں کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں، اللہ والوں کے خادم

دنیا کے بادشاہ ہوتے ہیں۔

◉.....سمر قند کے اندر کسی نے مجھے کہا کہ آپ نے تیمور لنگ کی قبر دیکھنی ہے؟ تو میں نے کہا کہ چلیں! تاریخ کے طالب کی حیثیت سے ہم بھی جا کر جگہ دیکھیں۔ وہاں گئے اور دیکھا تو اس مقبرے کے دروازے پر لکھا ہوا تھا فاتح العالم تیمور لنگ، جہان کا فاتح کہ اپنے وقت میں اس نے دنیا کو فتح کیا تھا۔ اندر گئے تو دیکھا ایک قبر ہے اور اس کے نیچے تین قبریں ہیں۔ جو درمیان والی قبر اور اوپر والی قبریں وہ آپس میں جڑی ہوئی ہیں، یوں سمجھیں کہ ایک انچ کا فاصلہ ہے۔ بات سمجھ میں نہ آئی کہ قبریں اتنا قریب کیوں بنا دیں؟ تو جو وہاں کا جواب تھا اس سے میں نے پوچھا کہ تیمور لنگ کی قبر درمیان میں ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں تیمور لنگ کی قبر اوپر ہے۔ اس نے کہا: تیمور لنگ نے وصیت کی تھی جب میں مروں تو مجھے میرے شیخ کے قدموں میں دفن کرنا۔ کیونکہ ان سے میں نے ایک مرتبہ دعا کروائی تھی، اللہ نے اس دعا کے صدقے مجھے فاتح عالم بنایا تھا۔

◉.....ایک مرتبہ سرہند گئے تو ایصال ثواب کے لیے حضرت محمد خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف جانا تھا۔ اتنی اچھی سڑک جا رہی تھی لیکن درمیان میں ایک قبر آگئی، بڑی حیرت ہوئی۔ پوچھا کہ جی قبر پہلے تھی اور سڑک بعد میں بنی یا سڑک پہلے تھی کسی نے قبر بعد میں بنائی؟ تو جو جانشین تھے انہوں نے جواب دیا کہ سڑک پہلے تھی، قبر بعد میں بنائی۔ میں نے کہا: جی اتنا صاف اور اچھا راستہ اور درمیان میں قبر بنا دی؟ اس نے کہا کہ حضرت کا ایک مرید تھا جو افغانستان کا بادشاہ تھا۔ اس نے وصیت کی تھی جب میں فوت ہو جاؤں تو جو راستہ میرے شیخ کی قبر کو جا رہا ہے مجھے اس راستے میں دفن کرنا، ان کو ایصال ثواب کرنے والے مجھے بھی کچھ پڑھ کر بخش دیا کریں گے۔

تو بتانے کا مقصد یہ کہ دنیا کے بادشاہوں کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں، اللہ والوں کے خادم دنیا کے بادشاہ ہوتے ہیں۔

(۱۴) مخلوق مطیع:

پھر اگلی بات یہ کہ اللہ رب العزت اپنے ولی کی محبت مخلوق کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ان کی بات ماننا، خدمت کرنا، کام کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں، مخلوق مطیع ہو جاتی ہے۔

◎ آپ ذرا غور کریں آگ پانی ہوا اور مٹی چار چیزوں کی مخلوقات ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے وہ مقامِ تسخیر عطا کیا تھا کہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی چاروں پہ ان کا حکم چلتا تھا۔ وہ کیسے؟

مدینہ طیبہ کے باہر سے ایک دفعہ آگ نکلی، مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنے لگی، عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری کو بھیجا کہ آگ کا بندوبست کریں، حدیث پاک میں ہے کہ انہوں نے اپنی چادر کو چابک کی طرح پکڑا اور آگ کو مارتے تھے جیسے کسی گدھے کو مارتے ہیں اور آگ پیچھے ہٹتے ہٹتے جہاں سے نکلی تھی، وہیں داخل ہو گئی۔ آگ پر حکم چل رہا ہے۔

پانی پر حکم چل رہا ہے۔ دریائے نیل نہیں چلتا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھا: اے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو مت چل اور اگر اللہ کے حکم سے چلتا ہے تو امیر المومنین عمر تجھے حکم دیتا ہے کہ تو چل! اور بندے کو کہا کہ یہ رقعہ دریا میں ڈال دینا۔ اس وقت سے دریا نے چلنا شروع کیا، آج تک دریائے نیل کبھی بند نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ مجھے دریائے نیل پر کھڑے ہونے کا موقعہ ملا، میں اس دریائے نیل کی جولانی کو دیکھ رہا تھا اور مجھے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یاد آرہے تھے۔ آگ پہ حکم چلا، پانی پہ حکم چلا، مٹی پہ حکم چلا۔

حدیث پاک میں آتا ہے عمر رضی اللہ عنہ مدینے میں کھڑے ہیں تو زمین پر زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے زمین کے اوپر پاؤں مارا اور پاؤں مار کر کہا کہ زمین! تو کیوں ہلتی ہے، کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ ان الفاظ کے کہنے کے بعد زلزلہ رک جاتا ہے۔

ہوا پر حکم چلتا ہے، جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، دور مسلمانوں کا ایک گروپ تھا جن کے ساتھ کافر جنگ کر رہے تھے اور قریب تھا کہ پہاڑ کے پیچھے سے وہ حملہ کر دیتے۔ ان کے جو امیر لشکر تھے وہ ساریہ تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ مدینے میں کھڑے ہو کر کہتے ہیں:

یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلِ

"اے ساریہ! پہاڑ کی طرف دیکھو"

اور ہوا ان کے میسج کو سینکڑوں میل دور ان تک پہنچا دیتی ہے۔ جو اللہ کا بن کر رہتا ہے پھر اللہ کی مخلوق یوں اس بندے کی اطاعت کرتی ہے۔

◎ چنانچہ سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کا لشکر گھوڑوں پر سوار ہے۔ ایران پر حملہ کرنا تھا، بیچ میں دریا تھا۔ فرمایا: گھوڑے دریا میں ڈال دو! ڈال دیے، گھوڑوں سمیت دریا پار کرتے نکل گئے۔ جب نکل گئے تو سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لشکر میں اعلان کروا دو کہ کسی کی کوئی چیز دریا میں تو نہیں رہ گئی۔ ایک صحابی نے کہا کہ جی میرا پیالہ رہ گیا ہے۔ دریا کو حکم دیا: پیالہ واپس کرو! لہر آتی ہے، پیالہ باہر آ جاتا ہے اور سعد بن وقاص کا حکم پورا ہوتا ہے۔

ے
لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا تھا دریا کو تو رستہ چھوڑ دیتا تھا

جو اللہ سے لو لگاتا ہے پھر اللہ رب العزت یوں اس کو شاہی عطا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دلوں کا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔

◉ اجمیر میں ایک انگریز آیا تھا، واپس جا کر کسی نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا کہ زمین کے اندر پڑا ہوا ایک مردہ شخص زندہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا تھا۔

(۱۳) محبین و متعلقین پر رحمتیں:

پھر یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اللہ والوں کی اولاد کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتے ہیں، ان کے محبین، معتقدین کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ خیر کا معاملہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو اللہ والوں کی صحبت میں آتے ہیں۔

«هُمْ رِجَالٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ»

"یہ وہ بندے ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہو سکتا۔"

محدثین نے یہاں نکتہ لکھا کہ بدبخت وہ ہوتا ہے جس کی ایمان پر موت نہ آئے۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے والے کو اللہ تعالیٰ آخری وقت میں کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ عیسائی اور یہودی اور مسلمان ایک سفر پر نکلے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ سفر کرتے رہے، دو دن ایسے تھے کہ جب کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ تو عیسائی نے مسلمان سے کہا کہ میاں آج تم دعا مانگو کہ اللہ ہمیں کھانا عطا فرما، کل کے دن میں دعا مانگوں گا تو سفر گزر جائے گا۔ مسلمان نے کہا کہ بہت اچھا۔ تو مسلمان نے دعا مانگی، اللہ نے مہربانی فرمائی ایک بندہ گرم گرم روٹیاں اور سالن لے کر آ گیا۔ ایک بھرا ہوا خوان کھانے کا آ گیا، لو جی دونوں نے مل

کر کھانا کھا لیا۔ مسلمان دل میں بڑا خوش کہ ہمارا اسلام سچا مذہب ہے، اللہ نے میری لاج رکھی اور کھانا مل گیا۔ اگلے دن عیسائی نے دعا مانگی، اللہ نے مہربانی کی اور دو بندے کھانا لے کر آ گئے۔ اس مرتبہ دو خوان تھے، ڈبل کھانا۔ اب کھانے کو دیکھ کر مسلمان کا دل بڑا اداس ہوا، کھانا تو کھا لیا مگر بڑا Upset (پریشان) تھا۔ عیسائی نے پوچھا کہ پریشان کیوں ہو بھئی؟ اس نے کہا کہ پریشان میں اس لیے ہوں کہ اسلام سچا مذہب ہے، میں نے اسلام میں ہو کر اللہ سے دعا مانگی تو ایک خوان آیا اور تم عیسائی ہو اور تم نے دعا مانگی تو دو خوان آئے۔ اس نے کہا کہ گھبراؤ نہیں دو خوشخبریاں سناتا ہوں۔ کون سی خوشخبریاں؟ اس نے کہا کہ پہلی خوشخبری تو یہ کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔ دوسری خوشخبری یہ کہ میں نے دعا یہ مانگی تھی کہ اللہ میرا یہ رفیق سفر مسلمان ہے، بھوکا ہے، اپنے اس نیک بندے کو کھانا عطا فرما دے، تیری نسبت سے دعا مانگی تھی اللہ نے آج دو خوان عطا فرما دیے۔

(۱۴) موت کے وقت معاملۂ خیر:

پھر موت کے وقت اللہ تعالیٰ اولیا کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟ حدیث میں آتا ہے کہ ملک الموت اس کی اس طرح روح قبض کرتے ہیں جیسے مکھن میں سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ جنت کے فرشتے آتے ہیں، ان کے پاس رومال ہوتے ہیں، اس میں جنت کی خوشبو ہوتی ہے، وہ اس کے سینے پر رکھ دیتے ہیں۔ اس خوشبو میں روح قبض کر لی جاتی اور اللہ تعالیٰ پھر فرشتوں کو قبر میں فرماتے ہیں، میرا بندہ دنیا سے تھکا ماندہ آیا ہے اسے کہو!

نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ

"دولہن کی نیند سو جاؤ"

حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے ولی کو قبر میں کہا جاتا ہے ((نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ)) دولہن کی نیند سو جا! اب یہاں محدثین نے نکتہ لکھا کہ یہ کیوں کہا کہ دولہن کی نیند سو جا، یہ کہہ دیتے: آرام کی نیند سو جا، میٹھی نیند سو جا، گہری نیند سو جا، پرسکون نیند سو جا، نہیں حدیث میں فرمایا کہ دولہن کی نیند سو جا! کیوں؟ یہ اس لیے کہا گیا کہ دولہن جب پہلی رات سوتی ہے تو اس کو وہ جگاتا ہے جو اس کا محبوب ہوتا ہے یعنی اس کا خاوند، یہ مومن آج قبر میں سو رہا ہے کل قیامت کے دن اس کو وہ جگائے گا جو اس کا محبوب حقیقی ہوگا۔

(۱۵) روزِ حشر استقبال:

پھر حشر کے دن کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اللہ والوں کو، اپنے دوستوں کی لاج رکھیں گے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (تحریم: ۸)

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے رسول ﷺ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی رسوا نہیں کریں گے۔"

اللہ اکبر کبیرا! علما نے لکھا ہے کہ جس طرح خاوند کئی سالوں کے بعد پردیس سے آئے تو بیویاں تیاریاں کرتی ہیں۔ گھر صاف، بچوں کے کپڑے صاف، کھانے کئی قسم کے تیار کرتی ہیں، خود بھی تیار ہو کے بیٹھ جاتی ہیں۔ جس طرح بیوی اپنے پردیس میں گئے ہوئے خاوند کے استقبال کے لیے تیاری کرتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے اولیا سے ملاقات کے لیے قیامت کے دن تیاری فرمائیں گے۔ کہا جائے گا:

﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ (الفجر: ۲۷-۳۰)

(۱۴) بلا حساب جنت میں:

پھر حساب کتاب کیسے ہوگا؟ فرمایا! حدیث پاک میں آتا ہے کہ لوگ تو حساب کتاب دے رہے ہوں گے جب کہ یہ اللہ والے مشک کے ٹیلوں کے اوپر ہوں گے۔ نیک لوگوں کے لیے قیامت کا دن ستر ہزار سال کا نہیں ہوگا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے قیامت کا دن فجر کی دو رکعت سنت پڑھنے کے بقدر ہوگا۔ اور وہ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام کی سب سے مختصر نماز فجر کی دو سنتیں ہوتی تھیں، بہت ہلکی پڑھتے تھے، بہت جلدی پڑھ لیتے تھے۔ مومن کو قیامت کے دن کے ستر ہزار سال اتنی ہی دیر محسوس ہوں گے۔ اور عرش کا سایہ ہوگا اور نور کے منبروں پر ہوں گے اور تاج ان کے سروں پر رکھے ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ باقی لوگوں کا حساب کتاب لے کر ان سے کہیں گے؟ میرے بندو! جاؤ بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

چنانچہ ایک نکتے کی بات کہ یہ عاجز کئی مرتبہ دعا مانگتا تھا کہ اللہ قیامت کے دن بغیر حساب کتاب کے جنت عطا فرما دینا۔ ایک دن حدیث پاک پڑھی کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار بندے ایسے ہوں گے جن کو بلا حساب کتاب جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ حدیث پاک آدمی پڑھی تو فوراً سوچ میں پڑ گیا، میں نے کہا: یا اللہ! یہ پوری امت اور ستر ہزار بندے، یہ تو کچھ بھی Percentage نہ بنی اور ہم بے عمل دعائیں مانگتے ہیں کہ بلا حساب کتاب جنت میں داخل فرما! تو یہ معاملہ تو بڑا سخت ہے۔ مگر حدیث پاک جب آگے پڑھی تو دل خوش ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار بندے ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ بلا حساب جنت میں داخل کریں گے اور ان میں سے ہر ہر بندہ ایسا ہوگا جو اپنے ساتھ ستر ہزار بندوں

کو لے کر جنت میں جائے گا۔ سبحان اللہ! اب ستر ہزار کو ستر ہزار سے ملٹی پلائی (ضرب) کرلیں تو کتنے بن جائیں گے؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حافظ کو دس بندوں کی شفاعت کی Approval (منظوری) دیں گے کہ اتنے جہنمیوں کو اپنے ساتھ جنت میں لے جاؤ۔ اور عالم کو اللہ تعالیٰ چار سو بندوں کی شفاعت عطا فرمائیں گے، ایک عالم چار سو بندوں کو لے کر جنت میں جائے گا۔ واہ میرے اللہ! تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے اولیا کو بھی کامیاب فرمائیں گے اور ان کے ساتھ ان کے متعلقین کے لیے بھی پرمٹ عطا فرمادیں گے۔ یہ جنت کے پرمٹ ہی ہیں جو حافظ کو ملیں گے۔

حدیث پاک میں ہے، اللہ تعالیٰ علما کو قیامت کے دن کھڑا کر کے فرمائیں گے:

((یَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ لَمْ اَدَا عِلْمِی فِیْکُمْ لِاُعَذِّبَکُمْ))

''اے علما کی جماعت! میں نے تمہارے سینوں کو علم کے لیے اس لیے نہیں چنا تھا کہ آج میں تمہیں عذاب دوں۔''

جاؤ! آج تم بلا حساب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

پھر پتہ چلے گا کہ اللہ کے ہاں اس دین کے علم کا کیا مقام ہے؟

(۱۷) اولاد کے ساتھ خصوصی رعایت:

قیامت کے دن اولاد کا کیا بنے گا؟ دنیا میں تو اللہ نے اللہ والوں کی اولاد کی، جان مال عزت آبرو کی، حفاظت کر دی، قیامت کے دن کیا ہوگا؟ سنیے قرآن عظیم الشان! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ (طور:۲۱)

''جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے درجے تک پہنچا دیں گے اور ان کے درجے سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔''

اللہ والوں کی اولاد اگر دنیا میں نیک بننے کی کوشش کرے گی مگر اتنی نیک نہیں کہ ان کے درجے کو پہنچے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قیامت کے دن ہم ان کو ان کے نیک ماں باپ کے ساتھ ملحق کر دیں گے، اس لیے کہ ہمارے پیاروں کو اس سے خوشی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اللہ والوں کی اولاد کے اوپر بھی رحمتیں فرمائیں گے پھر محبین اور متعلقین کے اوپر بھی رحمت ہوگی۔ حدیث پاک میں ہے، ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ جب عام بندے سے خوش ہوتے ہیں اس کے لیے جنت کے اندر گھر بنا دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی عالم سے خوش ہوتے ہیں اس کے لیے جنت میں شہر آباد فرما دیتے ہیں۔

شہر آباد کس لیے کرتا ہے؟ آپ نے سنا ہوگا نواب آف کالا باغ۔ بالکل اسی طرح قیامت کے دن اولیاء اللہ نواب ہوں گے، ان کو سٹیٹ ملی گی۔ ان سے تعلق محبت رکھنے والوں کیلیے اللہ تعالیٰ ان کو سٹیٹ عطا فرمائیں گے۔ قرآن سنیے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ (زمر:۷۳)

''اور جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کو گروہ در گروہ جنت میں لے جائیں گے''

متقی لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گروپ در گروپ جنت میں بھیجیں گے۔ نیک لوگ اکیلے نہیں جائیں گے، ان کے ساتھ تعلق والے بھی جائیں گے۔ ہمارے مشائخ جو اللہ والے تھے ہم اگر ان کے ساتھ محبت میں پکے رہیں گے تو اللہ کی رونگ ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی''

قانونِ خداوندی ہے، بندہ اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں مشائخ کے قدموں میں جگہ عطا فرمادے۔ (آمین)

(۱۸) جنت میں مہمان نوازی:

پھر جنت میں مہمان نوازی ہوگی۔ ایک تو ہوتی ہے تا عام بندے کی مہمان نوازی وہ تو جنت میں ہوگی ہی سہی، اللہ والوں کی خاص مہمان نوازی ہوگی۔

اب یہاں نکتے کی بات سمجھیں! مہمان گھر میں آتا ہے تو تین طرح کا معاملہ ہوتا ہے۔ کبھی تو جگ اور گلاس رکھ دیتے ہیں کہ جی Visitorz (ملاقاتی) آئے وہ اس میں سے پی لے۔ یا ٹھنڈے پانی کا کولر لگا دیتے ہیں کہ جو آئے گا پی لے گا، یہ ایک طریقہ۔

دوسرا طریقہ یہ کہ کوئی خاص مہمان آتا ہے تو نوکر یا خادم کو کہتے ہیں کہ بھئی ان کو پانی پیش کرو! تو نوکر جگ گلاس لے کر آتا ہے اور پانی پیش کرتا ہے۔

اور کبھی کبھی خاص مہمان ہوتے ہیں، قریبی رشتہ دار، پھر وہ بندہ خود جگ گلاس لے کر آتا ہے، اور کہتا ہے کہ جی آپ پانی پئیں! تو پانی پلانے کے تین طریقے ہیں۔

آخرت میں بھی یہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ کچھ بندے

تو وہ ہوں گے۔

﴿ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ (مطففین:۲۸)

''چشمہ جس سے مقربین پانی پیتے ہوں گے''

جنت کے اندر جو چشمے ہوں گے، یہ وہاں کے کولر ہوں گے، میرے مقرب جو ہوں گے یہ ان سے پانی پیتے رہیں گے۔

اور کچھ بندے ایسے ہوں گے:

﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴾ (واقعہ:۱۷۔۱۸)

''نوجوان خدمت گزار جو ہمیشہ رہیں گے، ان کے آس پاس پھریں گے آبخورے اور آفتابے لے کر جس میں صاف ستھری شراب ہوگی''

جنت کے اندر غلمان ہوں گے، خادم ہوں گے، نوجوان بچے ہوں گے جو خدمت کریں گے۔ ان کے پاس جگ گلاس ہوں گے یہ جنتیوں کو مشروب پلاتے رہیں گے۔

اور اللہ فرماتے ہیں تیسری قسم کے بندے وہ ہوں گے جنہوں نے میرے ساتھ سچی محبت کا رشتہ جوڑا ہوگا فرمایا:

﴿ وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴾ (دھر:۲۱)

''انہیں ان کا رب شراب طہور پلائے گا''

اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ خود شراب طہور پیش فرمائے گا۔

(۱۹) دوست کی رضا:

پھر سب سے بڑی نعمت تو یہ کہ اللہ راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں

اپنی رضا عطا فرمائیں گے۔ دنیا میں ایمان والے کہتے ہیں: رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا ہم اللہ سے راضی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت میں فرمادیں گے۔ اے میرے بندو! میں تم سے راضی، اور یہ رضا سب سے بڑا انعام ہے۔ قرآن مجید نے بتادیا:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی ہے''۔

(۲۰) دیدارِ الٰہی:

دوستی کا سب سے بڑا انعام تو یہ کہ اللہ رب العزت جنت میں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا، قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ (سورۃ ق:۳۵)

کہ جنت میں مومنوں کو وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ان کو مزید بھی ملے گا۔ مزید سے کیا مراد کہ ان کو اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوگا۔ اور یہ جو دیدار ہے یہ جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے اس کی بھی لمبی تفصیل ہے جس ابھی موقع نہیں۔

خلاصہ کلام:

اللہ سے محبت کرنے کے دنیا میں، قبر میں، حشر میں، جنت میں، اتنے انعام! اور نفسانی شیطانی محبتیں کرنے کا کیا انجام؟ دنیا میں بھی حسرتیں، دنیا میں بھی شکوے اور آخرت کی بھی بربادی۔ سنیے قرآن عظیم الشان کہ جن لوگوں کو دنیا میں نفسانی شیطانی محبتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ (زخرف:۶۷)

”دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ وہ دوست رہیں گے)“

تو وہ دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ تو نفسانی محبتوں کا انجام ایک دوسرے سے دشمنی پر ہوگا۔ آخرت میں بھی کہیں گے:

﴿يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا﴾ (فرقان:۲۸)

”ہائے شامت کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا“

حسرت کریں گے، کیوں دوست بنایا؟ دوستی نہ لگاتے۔ تو معلوم ہوا کہ قیامت کے دن یہ دوستیاں حسرت بن جائیں گی۔ اور پھر سنیئے قرآن پاک کی آیت:

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ﴾

جب فیصلہ ہو جائے گا تو جو اللہ سے تعلق نہیں جوڑیں گے وہ جہنم میں جائیں گے اور اللہ سے تعلق جوڑنے والے جنت میں جائیں گے۔ اس وقت شیطان کہے گا:

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ﴾

اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سچا تھا، میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔

﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ﴾

لیکن میرا تمہارے اوپر کوئی زور تو نہیں چلتا تھا میں نے تمہارے ذہن میں آئیڈیا ہی ڈالا تھا نا! آگے عمل تو خود ہی کیا تھا، میری کوئی حکومت تھوڑی تھی، آگے گناہ تم نے خود کیا:

﴿فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (ابراہیم:۲۲)

”مجھے آج مت ملامت کرو تم ملامت اپنے آپ کو کرو، اپنے نفس کو کرو۔“

حسرت ہوگی کہ ہم کیوں شیطان کی بات مان کر نفسانی محبتوں میں الجھ گئے؟ اور

اللہ سے بیگانہ ہو کر زندگی گزارتے رہے۔

تو معلوم ہوا کہ دوستی کرنے کا اہل کون ہے؟ فقط اللہ ہے۔ تو آیئے اللہ سے دوستی کیجیے! مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر کہا فرماتے ہیں:

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را با حی و با قیوم دار

اے دوست! مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے کیا محبتیں کرنیں، محبت کرنی ہے تو اس سے کرو جو حی و قیوم ذات ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا))

''اگر میں دنیا میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا''

مگر میں نے دنیا میں اللہ کو دوست بنایا ہے۔ تو دوستی صرف اللہ سے، مخلوق سے بھی دوستی اللہ کی وجہ سے ہونی چاہیے۔ نکتہ سمجھیں! دوستی اللہ سے ہو اور لوگوں کے ساتھ تعلق اللہ کی نسبت سے ہونا چاہیے، اللہ کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ تو جب یہ تعلقات اللہ کے حکم کے مطابق ہوں گے تو پھر یہ بھی ہمارے لیے عبادت بن جائیں گے۔ مگر دوستی اللہ کے ساتھ، دل اللہ کے ساتھ لگانا ہے۔

اللہ دوستی نبھاتے ہیں:

جب ہم دوستی لگائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ دوستی کا حق ادا کر دیں گے۔ میاں بیوی جا رہے تھے، بارش کا موسم تھا، تو بڑے میاں کے پاؤں سے جو کیچڑ اڑا تو عورت کے کپڑوں پر لگ گیا۔ اس کے خاوند کو پتہ چلا تو اس نے ایک تھپڑ لگایا اور کہا: او بڈھے! دیکھ کر نہیں چلتا، اندھا ہے۔ بڑے میاں چپ ہو گئے۔ وہ میاں بیوی قریب گھر

میں داخل ہوئے، سیڑھیاں چڑھنے لگے تھے کہ خاوند کا پاؤں پھسلا سر کے بل گرا اور اس کی موت آ گئی۔ اب بیوی رونے لگ گئی اور کہنے لگی کہ اس بڈھے نے بددعا کی ہے۔لوگ ان کے پاس آئے، جی آپ نے بددعا کیوں کر دی؟ انہوں نے کہا کہ میں نے بددعا تو نہیں کی بس اس کی موت آ گئی تھی۔انہوں نے کہا: بات سنو! میرے پاؤں سے تھوڑا کیچڑ اڑ کر اس کی بیوی پہ پڑا، اس کو بیوی سے محبت تھی فوراً اس نے ایکشن لیا اور مجھے سزا دی، جب اس کے خاوند نے مجھے مارا تو جس کو مجھ سے محبت تھی اس نے فوراً ایکشن لے لیا۔ اللہ والوں سے بھی اللہ کو محبت ہوتی ہے، پھر اللہ ان کا ایکشن لیا کرتا ہے۔

چنانچہ تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے: رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھیں ایک چور آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک چادر پڑی ہوئی تھی، اس نے کہا کہ یہی لے جاتا ہوں۔ چادر لے کر جیسے ہی جانے لگا، آنکھ کے آگے اندھیرا آ گیا، یک دم کنفیوز ہو گیا تو چادر اس نے پھینک دی، اب دروازہ نظر آیا، باہر نکلنے لگا، جب باہر نکلنے لگا تو آواز آئی کہ اگر ایک دوست سویا ہوا ہو تو دوسرا دوست جاگتا ہے۔ یہاں تو چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہیں، تم چادر کیسے چوری کر کے لے جا سکتے ہو؟ تو بھئی! ایک دوست سویا ہے تو دوسرا دوست (پروردگار) وہ نبھاتا ہے، اپنے دوستی کے تعلق کو۔

تو ہمیں چاہیے کہ آج ہم دل میں عہد کریں ایک نئی زندگی گزارنے کا کہ میرے مولیٰ آج ہم اپنی دوستی کا آغاز کر رہے ہیں، اے اللہ! آج ہم ایک نئی ایمانی قرآنی زندگی بسر کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، میرے مولیٰ! آج تک ہم کوتاہی کرتے رہے، بھٹکتے رہے، در در کے دھکے کھاتے پھرے، میرے مولیٰ! یہ ایک تیرا در ایسا ہے بس اسی پہ ہم آ گئے، اللہ! اب کسی اور طرف نہ بھیج دینا، دھکے کھانے سے ہمیں بچا لینا،

اور ہماری اس محبت کو قبول کر لینا۔ جب اللہ کی طرف دوستی کا قدم بڑھائیں گے، اللہ کی رحمت دوڑ کر آئے گی۔

مجالسِ تربیت کا حاصل:

آپ حضرات تقریباً ایک ہفتہ اس گرمی کے موسم میں اپنے گھروں سے دور یہاں آ کر رہے، مجاہدہ کیا، اللہ نے آپ لوگوں کی برکت سے موسم بھی بہتر کر دیا۔ آج اختتامِ مجلس ہے، اس مجلس میں کچھ Conclude (نتیجہ اخذ) کرنا چاہیے، اس کا کچھ نتیجہ نکلنا چاہیے۔ نتیجہ یہی ہے کہ اللہ! آج ہم سرنڈر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے آج سچی توبہ کرتے ہیں۔ اور اے اللہ! ہمیں اپنے گھر سے دھکے نہ دے دینا۔ میرے مولیٰ! دردر کے دھکے کھا کر تنگ آ گئے ہیں، پریشانیوں سے الجھ الجھ کر تھک آ چکے ہیں، اللہ کس کے سامنے سینے کے راز کھولیں، سینوں کے بھید تو آپ ہی جانتے ہیں۔ میرے مولیٰ! آپ ہمارے اوپر رحمت کی نظر فرما دیجیے، اے اللہ! ہم پر مہربانی فرمایئے، آج ہمارے اس ارادے کو قبول کر لیجیے! اور ہمیں بھی اپنے دوستوں میں شامل کر لیجیے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ اسی فکر میں زندگی گزارتے تھے، اللہ کے بندے اللہ سے جڑنے والے بن جائیں لیکن کیا کریں؟ جس دل کو دیکھو آج دنیا پھنسی ہوئی ہے، مخلوق بسی ہے۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے:

حالِ دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

آج اللہ کے بندوں کو ڈھونڈنا مشکل کام ہے، کاش کہ ہم سو فیصد گناہوں سے سچی توبہ کر کے آج عہد کریں کہ میرے مولیٰ! ہر گناہ سے توبہ کرتے ہیں، آئندہ نیکو کاری پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اے میرے مولیٰ! آپ

سے محبت کریں گے، ہمارے دل کو اپنی محبت سے بھر دینا، رب کریم! اپنی محبت کی لذت ہمیں عطا فرما دینا اور ہمیں بھی اپنی محبت کرنے والوں میں شامل فرما دینا۔

حضرت غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب بات کہی! اللہ کی محبت میں فرماتے ہیں:

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی تو ایمان وی توں
میڈا جسم وی تو میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جاں وی توں
میڈا کعبہ قبلہ مسجد منبر
مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکوتاں
صوم صلوٰۃ اذان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلونڑاں
من موہن جانان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا
میڈا تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں
میڈا شرم وی توں میڈا شان وی توں

میڈا ڈکھ سکھ رون کھلن وی توں
میڈا درد وی توں درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں
میڈا بخت تے نام نشان وی توں
میڈے ٹھنڈڑے ساہ تے مونجھ متھاری
ہنجواں دا طوفان وی توں
میڈی مہندی کجل مساگ وی توں
میڈی سرخی بیڑا پان وی توں
جے یار فرید قبول کرے
سرکار وی توں سلطان وی توں

جب اللہ سے دوستی ہو جاتی ہے انسان کی ہر چیز اللہ کے لیے ہو جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ہور کہانی مول نہ بھائیں
الف لیم دل کھس دے میاں جی
بے تے وی میکوں لوڑ نہ کائی
الف کیتم بس دس دے میاں جی

ذکر اللہ دا چرخہ چلاویں
ہتی شاباش شابش وے میاں جی

جیندیاں مردیاں یار دی رہساں
وسری ہور ہوس وے میاں جی
رانجھڑ میڈا میں رانجھڑ دی
روز ازل دی ہس وے میاں جی

عشقوں مول فرید نہ پھرسوں
روز نویں ہم چس وے میاں جی

عشق مول فرید نہ پھرسوں، اے فرید! میں اللہ کی محبت سے کبھی نہ ہٹوں گا، روز نوی ہم چس وے میاں جی، یہ اللہ کی محبت عجیب ہے روز اللہ کی محبت کی نئی چس ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی محبت کی چس عطا فرما دے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾

(کہف:۱۳)

فتنوں سے حفاظت کیسے؟

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 28 دسمبر 2010ء بروز منگل ۲۲ محرم ۱۴۳۲ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: طلباء سے خطاب (بعد از عشاء)

اقتباس

سورۃ کہف ہمیں کیا تعلیم دیتی ہے؟ سورۃ کہف کو پڑھیں تو اس میں ایک واقعہ نظر آتا ہے کہ چند نوجوان تھے:

﴿ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنَاهُمْ هُدًى ﴾

وہ اپنا ایمان بچانے کے لیے اور وقت کے بادشاہ کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے نکل پڑے اللہ کی طرف۔ اور پھر اللہ نے ان کو ایک غار میں سلا دیا اور غار کے اندر ان کا ایمان بچا رہا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو وہ بادشاہ بھی جا چکا تھا، وہ ظلم بھی ختم ہو چکا تھا۔ تو سورۃ کہف ہمیں تعلیم دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان ایمان والوں کا ایمان بچایا، آج کے اس دور میں ہمارا ایمان بھی تب بچے گا جب ہم بھی کسی کہف کے اندر زندگی گزاریں گے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

فتنوں سے حفاظت کیسے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة:۳)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اسلام آخری دین ہے:

نبی علیہ السلام جب حجۃ الوداع پر تشریف لے گئے تو یوم عرفہ پہ ایک آیت اتری جو آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، اس آیت میں اللہ رب العزت نے دینِ اسلام کی نعمت کو کامل عطا فرمانے کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ دین آخری دین ہے، نبی علیہ السلام خاتم النبیین ہیں اور یہ امت خاتم الامم ہے، آخری امت ہے۔ یہود کے بعض علما نے اس آیت کو سن کر کہا کہ اگر یہ آیت ہمارے نبی پر نازل ہوتی تو ہم جشن مناتے کہ دین مکمل ہو گیا اور کوئی دین نہیں آئے گا جب کہ ہمیں ہر وقت اور انبیاء کے آنے کا دھڑکا لگا رہتا تھا

حفاظتِ دین......علما کی ذمہ داری:

پہلے جب کوئی بڑے نبی، اولوالعزم نبی آتے تھے تو پھر ان کی تعلیمات کو آگے

پہنچانے کے لیے اور انبیا آتے تھے، نبی ﷺ پر یہ سلسلہ مکمل ہو گیا۔ اب دین کا کام اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علما اور صلحا پر ڈال دیا چنانچہ فرمایا:

﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ﴾ (مائدۃ:۴۴)

"اہل اللہ اور علما کہ ان کو کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے"

"رَبّٰنِيُّوْنَ" رب والے، یعنی اللہ والے۔

"اَحْبَار" یعنی علما۔

ان کا یہ فرض منصبی ہے کہ یہ دین کے محافظ ہیں، انہوں نے قرآن کی ایک ایک آیت کے اوپر ڈیرے ڈالنے ہیں، جھگیاں ڈالنی ہیں اور اس کی حفاظت کرنی ہے، یہ فرضِ منصبی ہے علما کا۔

دین کے چار شعبے:

چنانچہ نبی علیہ السلام نے دین پہنچایا اور اس امت نے پھر دین کی حفاظت کی، نبی ﷺ تشریف لائے تو چار مقاصد قرآن نے بیان کیے:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

"وہ ان کو آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب کا علم سکھاتا ہے اور دانش سکھاتا ہے"

تو ان مقاصد کے تحت چار شعبوں میں دین کا کام ہو رہا ہے۔

① ﴿يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾

"دعوتِ دین"

۲ ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾

” ذکر اور آج کل کی خانقاہیں“

۳ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾

آج کل کے مدارس

۴ ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾

”وہ لوگ جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے، اللہ کے امر کے نفاذ کے لیے کوششیں کر رہے ہوتے ہیں۔“

یہ دین کے چار شعبے ہیں۔

خلفائے راشدین کے دور میں اشاعتِ دین:

چنانچہ اس امت کو سب سے پہلے جو تقویت ملی وہ ہے:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾

اور اس محنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے چار خلافتیں عطا فرمائیں، ہم کہتے ہیں کہ جی چار خلفائے راشدین گزرے ہیں، ان کے دور میں دین بہت پھیلا۔

چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جامع القرآن بنے کہ انہوں نے قرآن کو ایک جگہ جمع فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں دین مضبوط ہوا اور ۲۲ لاکھ مربع میل کے علاقے میں دین پھیل گیا۔

اور عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تو چوالیس لاکھ مربع میل تک دین پھیلا، سبحان اللہ۔

اور عثمان رضی اللہ عنہ ناشر قرآن بنے، انہوں نے قرآن کے سات نسخے بنا کر دنیا کے مختلف علاقوں میں پہنچائے کہ اس پر عمل کرنا ہے۔

محدثین اور فقہا کا دور:

پھر اس کے بعد تابعین کا سلسلہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس امت میں علما سے بڑا کام لیا، کیونکہ کام جوانہی کا تھا۔

علما میں ایک محدثین کی جماعت تھی جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، احوال اور شمائل کو یکجا کر دیا۔ ان کو یکجا کرنے میں انہوں نے کیا کیا محنتیں کیں، کس طرح انہوں نے سفر کیے، کس طرح انہوں نے رجال الحدیث کی چھان پھٹک کی یہ ایک الگ داستان ہے۔

پھر ایک فقہا کی جماعت تھی جس نے قرآن واحادیث سے مسائل کو اخذ کر کے دین کو مدون کیا، اللہ نے ان سے بالخصوص یہ کام لیا۔ چنانچہ ایک ایک فقیہ نے دین کو مدون کرنے کے لیے خوب کام کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے چار فقہیں عطا فرمائیں۔

(۱) فقہ حنفی (۲) فقہ شافعی (۳) فقہ حنبلی (۴) فقہ مالکی

یہ چار فقہیں مشہور ہیں۔

یہ فقہا کی محنت تھی۔ ویسے تو فقہا بہت زیادہ تھے، ہزاروں تھے، لیکن ان میں سے جن کی تقلید ہوئی وہ سترہ کے قریب تھے، اور ان میں سے بھی چار تھے جن کی قبولیت اللہ کے ہاں ایسی تھی کہ ان کا فیض اللہ نے جاری ہی کر دیا۔ اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ ایک باپ کے سولہ بیٹے تھے کوئی ایک سال کا ہو کر فوت ہو گیا، کوئی دو سال کا او رچار باقی رہے تو وراثت تو چار میں تقسیم ہوگی۔ اسی طرح چار فقہا ایسے تھے کہ دین کی وراثت ان کو ملی اور اس کو انہوں نے تقسیم کیا اور ان کے ذریعے سے دین پھیلا، حتیٰ کہ بڑے بڑے محدثین نے بھی انہیں کی پیروی کی، بڑے بڑے اکابر محدثین

مفسرین دین کے جو جبال العلم تھے انہوں نے بھی ان کی پیروی کی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو امام اعظم کہا جاتا ہے وہ اسی لیے کہ جتنے فقہا یا جتنے اور محدثین ہیں وہ بالوسطہ یا بلا واسطہ ان کے شاگرد بنتے ہیں، ڈائریکٹ شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد، تو اللہ نے فقہا سے کام لیا۔

مشائخ صوفیا کا دور:

پھر فقہا کے بعد ایک دور آیا جس میں اللہ رب العزت نے مشائخ صوفیا سے کام لیا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کے دلوں کو بدلنے کے لیے محنتیں کیں، اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملایا، دنیا سے موڑ کر آخرت کی طرف لگایا، حتیٰ کہ ملکوں میں دین پھیلا۔

چنانچہ ہمارے اس ملک میں، برصغیر میں دین صوفیا کی وجہ سے آیا اور پھر علما نے اس کو جمایا۔ ہندوستان، پاکستان میں دین مشائخ صوفیا کی وجہ سے آیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بنگال کا ایک سفر کیا، سات لاکھ ہندو مسلمان ہوئے اور سترہ لاکھ مسلمان نیک بنے، اتنا اللہ نے فیض پھیلایا۔ ایک بزرگ اتنے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔ تو یہ چار سلسلے اس امت میں جاری ہوئے۔

(۱) چشتیہ (۲) قادریہ (۳) سہروردیہ (۴) نقشبندیہ

جب یہ دین مکمل ہوا محدثین نے احادیث کو سینوں میں اور کتابوں میں محفوظ کیا، فقہاء نے مسائل کی جزئیات اکٹھی کر دیں اور کتابوں کے اندر بھی محفوظ کر لیا، پھر مشائخ صوفیا نے اس میں روح بھرنے کے محنتیں کیں، سکھایا کہ اخلاص کیسے پیدا ہوتا ہے، دین خوب مکمل ہوا۔

بادشاہانِ وقت......مشائخ کی دہلیز پر:

چنانچہ سینکڑوں سال ایسے گزرے کہ امت اس دین پر عمل کرتی رہی حتیٰ کہ جو

وقت کے بادشاہ ہوتے تھے، وہ بھی اللہ والوں کے پاس آ کر تربیت پاتے تھے، وہ بھی آ کر ان کی دعائیں لیتے تھے۔

محمود غزنوی کی حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت:

مثلاً محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں آیا کرتے تھے، ان کے بعض واقعات مشہور ہیں۔ بلکہ کتاب میں ان کی مغفرت کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ وہ جب خانقاہ میں آیا تھا تو اس وقت سالکین جھاڑو دے رہے تھے اور مٹی اڑ رہی تھی، اس نے برکت کے لیے اس مٹی کو اپنے چہرے پر مل لیا کہ یہ اللہ والوں کی جگہ جہاں پر اللہ اللہ ہوتی ہے اس کی مٹی ہے۔ جب فوت ہوا تو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کہ محمود کیا بنا؟ کہنے لگا کہ بس ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں گیا تھا تو میں نے تو محبت میں اس مٹی کو چہرے سے لگایا تھا، اللہ کے حضور میں پیشی ہوئی تو فرمایا کہ اس چہرے کو میں آگ میں کبھی نہیں جلاؤں گا۔

اور ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے بے رغبتی دیکھیے کہ حضرت بیٹھے ہوئے تھے، بال ذرا لمبے تھے، پٹے رکھے ہوئے تھے اور اس زمانے میں یہ شیمپو صابن تو ہوتے نہیں تھے، تو جوئیں پڑ گئیں تھیں۔ خشکی تھی، سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یہ خارش خشکی کی وجہ سے ہے یا جوؤں کی وجہ سے۔ ایک خادم کو فرمایا کہ بھائی جمعہ کا دن ہے، غسل کرنا ہے، ذرا سر میں دیکھو کہ خارش کیوں ہوتی ہے؟ تو وہ بیٹھا سر دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں محمود غزنوی آ گیا، ایک طالب علم بھاگا کہ حضرت کو بتاؤں، تو وہاں جب پہنچا تو دیکھا کہ حضرت نیچے سر جھکائے بیٹھے ہیں اور دوسرا خادم سر ٹٹول رہا ہے، اس نے اشارے سے بتایا کہ بادشاہ سلامت آ رہے ہیں۔ تو اس خادم نے کہا کہ حضرت! حضرت! فرمایا کیا ہوا؟ حضرت! وہ بادشاہ سلامت آ رہے ہیں، فرمایا: اوہو!! میں سمجھا

کہ کوئی بڑی سی جوں تیرے ہاتھ آگئی ہے، ان اللہ والوں کے دل میں دنیا کی اتنی بھی وقعت نہیں ہوتی۔

چنانچہ محمود غزنوی آیا، بیٹھا، بات چیت کی، پھر محمود غزنوی ایک تھیلی لایا تھا وہ ہدیہ نذرانہ پیش کی، حضرت نے انکار فرمادیا۔ اس نے جب اصرار کیا تو حضرت نے اس کے بدلے میں ایک خشک روٹی پڑی ہوئی تھی وہ اس کو دی کہ یہ کھاؤ! اب وہ بادشاہ تھا، نرم غذائیں کھانے کا عادی تھا، خشک روٹی کہاں اس سے کھائی جاتی تھی؟ وہ تو حلق میں اٹک گئی، نگلنا مشکل ہو گیا۔ تو پوچھا کہ تکلیف ہو رہی ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت! ذرا نگلنا مشکل ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ جس طرح یہ تمہارے حلق سے نہیں نگلی جا رہی اسی طرح یہ تمہارا ہدیہ بھی میرے حلق سے نہیں گزرے گا۔ محمود غزنوی کو سمجھ لگ گئی کہ واقعی یہ دنیا سے بے رغبت ہیں اور اللہ والے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ جی میں آیا اس لیے ہوں کہ دعا کریں کہ سومنات کے قلعہ پر کئی دفعہ حملہ کر چکا ہوں، ہر دفعہ ہندو کافر اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے تو اب میں نے سوچا کہ میں اللہ والوں کی دعا کو بھی ساتھ لے لوں۔ حضرت نے دعا بھی فرمادی اور اپنا ایک جبہ بھی دے دیا اور فرمایا کہ جاؤ پھر فوج کشی کرواور اس دفعہ اگر ذرا مشکل ہو تو دو رکعت نفل پڑھنا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اللہ! اگر اس جبے والے کا اگر تیرے ہاں کوئی مقام ہے تو اس کی برکت سے یہ مشکل آسان فرما۔

سلطان محمود چلا گیا اور فوج کشی کی۔ لڑتے لڑتے ایک ایسا وقت آیا کہ کافر پھر غالب آنے لگے، کیونکہ سومنات اس وقت ان کا عالمی مرکز بنا ہوا تھا۔ محمود غزنوی آگے تھا، اسے اندازہ ہوا کہ پیچھے فوج لڑ رہی ہے مگر بھاگ رہی ہے، پاؤں اکھڑ رہے ہیں۔ اس نے دو رکعت نفل پڑھے اور دعا مانگی، یا اللہ! اس سومنات کے قلعے کو فتح کروا دے۔ دعا مانگی تھی کہ اللہ نے حالات کو ایسے پلٹا کہ اور مسلمانوں نے بڑھنا

شروع کر دیا، اللہ نے سومنات کا قلعہ فتح کرا دیا۔

اب جب قلعہ فتح ہو گیا تو مسلمان بہت خوش ہوئے کہ شرک ختم ہوا، کفر کا اڈا ختم ہوا۔ کافروں نے اس وقت یہ پیغام بھیجا کہ یہ جو ہمارے بت ہیں، آپ ان کو نہ توڑیں، ہم ان کے وزن کے بقدر ہم آپ کو سونا دے دیں، تو سلطان محمود نے کہا کہ سونے سے تول کر دوں گا تو مجھے دنیا بت فروش کہا کرے گی، بت شکن نہیں کہا کرے گی، میں بیچنا نہیں چاہتا میں تو توڑنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سلطان محمود نے جب بتوں کو توڑا تو اللہ کی شان وہ بت اندر سے ہیرے اور جواہرات سے بھرے ہوئے تھے، تو سونے سے کئی گنا زیادہ قیمت اللہ تعالیٰ نے میں عطا فرما دی۔ واپس آ کر سلطان محمود نے سوچا کہ میں حضرت کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آیا تو حضرت نے پوچھا کہ اچھا تو نے کیا دعا مانگی تھی؟ اس نے کہا کہ حضرت! میں نے دعا مانگی تھی کہ اللہ! مجھے سومنات کا فاتح بنا دے! حضرت نے فرمایا کہ محمود! تم نے بہت تھوڑی قیمت لگائی، اس وقت اگر تو یہ دعا مانگتا کہ اللہ! مجھے فاتح عالم بنا دے تو اللہ تمہیں پوری دنیا کا فاتح بنا دیتا۔ ع

مگر مہماں فقیروں کے ہوئے ہیں بادشاہ اکثر

یہ اکثر ہوتا رہا۔

سلطان التمش اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ:

چنانچہ قریب کے زمانے میں دیکھیں! ایک بزرگ تھے قطب دین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، بڑے اللہ والے تھے۔ مغلیہ بادشاہ ان سے محبت، عقیدت اور بیعت کا تعلق رکھتے تھے، اور جب بادشاہ وقت بھی بیعت ہو تو عوام تو اس کے پیچھے ہوتے ہیں، تو مانے ہوئے شیخ تھے۔ اللہ کی شان کہ ان کی وفات ہو گئی، وفات کے وقت

جب جنازہ لایا گیا تو لاکھوں لوگ جنازے میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے۔

کچھ جنازے ہوتے ہیں کہ جن کا جنازہ پڑھا جائے تو میت کو فائدہ ہوتا ہے کہ مغفرت ہو جاتی ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ چالیس ایمان والے اگر کسی میت کا جنازہ پڑھیں گے تو اللہ اس میت کے گناہوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ اور کچھ جنازے ایسے ہوتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے سے پڑھنے والوں کو فائدہ ہو جاتا ہے، حضرت ان میں سے تھے۔ اتنے لوگ تھے کہ جم غفیر تھا، تاحد نظر انسان ہی انسان تھے۔ جنازہ رکھا گیا، ایک آدمی بڑھا، اس نے کہا کہ حضرت نے مجھے وصیت کی تھی، وہ میں نے پڑھ کر سنانی ہے، وصیت یہ تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کے اندر چار شرطیں ہوں۔

پہلی شرط: کہ جس کی فرض نماز کی تکبیر اولیٰ کبھی بھی قضا نہ ہوئی ہو۔ اس پر اگر ہم سب تولے جائیں تو ہم سب فیل ہیں، کیا پیر اور کیا مرید، کیوں؟ کئی مرتبہ ایسے واقعات ہو جاتے ہیں کہ جاتے جاتے ایک منٹ لیٹ ہوئے تو دوسری رکعت میں پہنچے، تو تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی ہے۔ ان کی پہلی شرط تھی کہ تکبیر اولیٰ کبھی فوت ہی نہ ہوئی ہو۔

دوسری شرط: جس کی تہجد کی نماز کبھی بھی فوت نہ ہوئی ہو۔ ہم سب پھر فیل، کبھی صحت کبھی بیماری، کبھی سفر کبھی حضر، تو کبھی رہ بھی جاتی ہے۔

تیسری شرط: جس کی عصر کی چار سنتیں بھی کبھی قضا نہ ہوئی ہوں۔ ہم تیسری مرتبہ پھر فیل۔

چوتھی شرط: پوری زندگی میں جس نے کبھی بھی غیر محرم پر کوئی شہوت کی نظر نہ ڈالی ہو، اب پوری زندگی میں کون بندہ یہ گواہی دے سکتا ہے؟ چوتھی مرتبہ پھر فیل۔

یہ اعلان ہونے کے بعد کہ جس بندے میں چار خوبیاں ہوں وہ جنازہ پڑھائے

مجمع کو تو سانپ سونگھ گیا۔ مکمل خاموشی (Pin drop Silence)، کون تھا جو جنازہ پڑھائے! کچھ دیر گزری تو ایک بندہ روتا ہوا آگے آیا اور آ کر حضرت کا چہرہ کفن کھول کر دیکھا اور یہ الفاظ کہے کہ حضرت! آپ تو فوت ہو گئے مجھے آپ نے رسوا کر دیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میرے اندر چاروں شرطیں پائی جاتی ہیں۔ اس نے حضرت کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ وقت کا بادشاہ سلطان التمش تھا۔ حضرت کی صحبت سے اللہ نے بادشاہ کو ایسی زندگی دی تھی۔ ع

مگر مہماں فقیروں کے رہے بادشاہ اکثر

اورنگ زیب عالمگیر اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ:

اور قریب آئیں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ، اللہ نے ان کے ذریعے اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کروائی، اورنگ زیب نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں نسبت پائی، شیخ بنے اور وقت کے بادشاہ بھی ہیں۔ خزانے سے ایک پیسہ نہیں لیتے تھے، خود قرآن پاک لکھتے تھے اور اس تحریر سے جو تھوڑی سی آمدنی ہوتی، خشک روٹی بے نمک یا نمک والی اسی سے کھا لیتے تھے، اتنے متقی بادشاہ کا ہونا یہ ان مشائخ کی محنت تھی۔

چنانچہ انہوں نے فتاویٰ عالمگیری لکھوا کر ایک عظیم کام سرانجام دیا۔ تو معلوم ہوا کہ وقت کے بادشاہ بھی مشائخ کے پاس آتے تھے اور ان کی زندگیاں بدلتی تھیں۔ تو اس طرح سینکڑوں سال یہ امت دین کے اوپر طلب کے ساتھ شوق کے ساتھ چلتی رہی۔

ایک داخلی فتنہ...... دین اکبری

سینکڑوں سال کے بعد بالآخر ایک داخلی فتنہ اس امت کے اندر پیدا ہوا، جس

نے دین پر ضرب لگائی۔ اور وہ کون سا فتنہ تھا؟ وہ غافل حکمران اور درباری ملاؤں کا فتنہ تھا۔ ان کی ملی بھگت تھی، وہ غافل حکمران ''اکبر'' تھا اور درباری ملاں ابوالفضل اور الفیضی تھے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ جی تعظیمی سجدہ بھی جائز ہے۔ لو ان دونوں کے جوڑ سے امت کے اندر ایک داخلی فتنہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ اکبر نے تو دین اسلام کی شکل کو مسخ کرنے کی انتہاء کر دی۔ اس نے وحدت ادیان کا تصور دیا کہ سب دین ایک ہیں۔ سورج کی پرستش شروع ہو گئی، اس نے ہندوؤں کے مذہب کی وجہ سے گائے کو ذبح کرنا منع کر دیا۔ اس نے کہا کہ جو ہندو مسلمان ہو چکے ہیں وہ دوبارہ ہندو بننا چاہیں تو ان کو اجازت ہے۔ اس نے سور کو حلال قرار دیا، شراب کو حلال قرار دیا، سود کو حلال قرار دیا، زنا کی صورتوں کو جائز قرار دیا، یہ اکبر بادشاہ کے سیاہ کارنامے تھے، الامان والحفیظ۔ علما کے اوپر سختی شروع کر دی کہ کوئی بول نہ سکے، ان کو بلا بلا کے تعظیمی سجدے کروائے جاتے تھے۔

فتنے کا سدباب کیسے ہوا؟

ایک اللہ والے ایسے بھی تھے جنہوں نے سجدہ نہ کیا۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جہانگیر بادشاہ اکبر کا جانشین بنا اور اس نے اپنے پیش رو کی خرافات کو آگے بڑھایا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جہانگیر کے دربار میں بلایا گیا لیکن آپ نے اسے تعظیمی سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ع

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

اس پر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دو سال گوالیار کے قلعے میں بند کر دیا گیا، مشقتیں ڈالی گئیں۔ حضرت کا تو سلسلہ اتنا پھیلا ہوا تھا کہ لاکھوں لوگ حضرت سے بیعت تھے۔ جب ان کو جیل بھیجا گیا تو مریدین کی تو حالت عجیب تھی، وہ غم سے

پاگل تھے کہ ہم کیا کریں؟ حتیٰ کہ میر نعمان جو فوج کے جنرل تھے انہوں نے خط لکھا، پوچھا کہ کیا ایسی حالت میں خودکشی جائز ہے؟ تو حضرت نے پھر ان کو تسلی دی کہ میر نعمان! پریشان نہ ہوں میرے اوپر جو جیل کے اندر سختیاں ہو رہی ہیں، ان سختیوں میں وہ روحانی ترقیاں مل رہی ہیں جو مجھے باہر نہیں ملیں۔ اور پھر حضرت نے مکتوب لکھے اور فرمایا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے جمال کی تجلیات سے میری تربیت فرمائی تھی اب اللہ تعالیٰ جلال کی تجلیات سے میری تربیت فرما رہے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کو ٹھنڈا کیا، مقصد یہ تھا کہ امیروں کو امارت مبارک، وزیروں کو وزارت مبارک، ہمیں تمہاری حکومت سے کچھ نہیں لینا، ہم تو یہ چاہتے ہیں تم دین دار بن جاؤ، نیک بن جاؤ۔ اور پھر وہی ہوا کہ بالآخر فوج کے جو جرنیل تھے، ان کو حضرت کے قریب رہنے کا موقع ملا، سبب کیا بنا؟ کہ جہانگیر نے قلعے کا ایک دورہ کیا تو اسے ڈر ہوا کہ پیچھے کہیں اس کے مرید قلعے سے نکل کر تختہ ہی نہ الٹ دیں۔ چنانچہ اس نے کہا کہ یہ جو ہیں یہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔ تو حضرت مجدد صاحب کو لشکر میں ساتھ ساتھ رکھا۔ اب فوج کے جرنیل رات کو حضرت سے بھی ملتے۔ Personaly (ذاتی طور پر) دیکھنے کا موقع ملا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو وہ نہیں ہیں جو ہمیں لوگ کہتے ہیں، یہ تو بڑے ہی اللہ والے ہیں۔ تو جرنیلوں کے دل بدلنے شروع ہو گئے۔

- یہ وہی سفر ہے کہ جس میں جہانگیر نے چنیوٹ کے اندر پڑاؤ ڈالا تھا اور حضرت مجدد صاحب بھی ساتھ تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ جھنگ کا یہ جو قریب کا علاقہ ہے چنیوٹ، حضرت مجدد صاحب اس فوج کے ساتھ یہاں تک تشریف لائے تھے۔ بالآخر فوج کے جرنیلوں نے مل کر بادشاہ کو کہا کہ بھائی اگر تمہیں اپنی بادشاہی چاہیے تو جو یہ کہتے ہیں مانو، ورنہ تمہاری چھٹی۔ اب جب چھٹی کا ڈر ہوا تو پھر تو بادشاہ سیدھا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ یہ جو چاہتے ہیں کریں۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ نے پھر شرک ختم

کیا، بدعات ختم کیں، دینِ اکبری کی بنیادوں کو ختم کر کے جو صحیح دین تھا اس کو پیش فرمایا۔ یوں اللہ رب العزت نے یہ داخلی فتنہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت اور قربانی کی برکت سے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

خارجی فتنہ......انگریز کا تسلط

پھر یہ امت دین کے اوپر چلتی رہی مگر کچھ سو سال کے بعد پھر اس کے اوپر ایک خارجی فتنہ آیا۔ وہ فتنہ یہ تھا کہ فرنگی نے اس ملک کے اوپر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ پاک ہند یہ اکٹھا ایک ملک تھا، اس پر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ یہ خارجی فتنہ تھا، انگریز جو باہر سے آئے اور ملک کے اوپر چھا گئے۔ آئے تھے تاجر بن کر اور بیٹھ گئے مالک بن کر۔ دجل ایسا، فریب ایسا، مکاری ایسی کہ حاکم بن گئے۔ اب جب حاکم بن گئے تو وہ یہاں کے لوگوں کے دشمن نہیں تھے، وہ یہاں کے لوگوں کے دین کے دشمن تھے، وہ ان کو دین سے ہٹانا چاہتے تھے۔

فرنگیوں کی پہلی چال:

چنانچہ اس خارجی فتنے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جی دین اس امت میں مدارس کی وجہ سے ہے تو مدارس کو ختم کرو۔ یہ فرنگی کا آئیڈیا تھا جو سب سے پہلے اس برصغیر میں شروع ہوا۔ اس زمانے میں جو مدارس تھے وہ وقف کی جائیدادوں سے چلا کرتے تھے۔ مثلاً کسی بندے نے مدرسہ بنایا، پانچ مربعے زمین وقف کر دی کہ بھئی! اس زمین کی آمدنی مدرسے کے طلبا پر خرچ ہو گی، یوں مدرسے چلتے تھے۔ ہزاروں مدرسے اس طرح وقف کی جائیدادوں پر چلتے تھے۔ فرنگی نے پہلا کام یہ کیا کہ وقف کی تمام جائیدادوں کو حکومتی تحویل میں لے لیا، مدارس کا گلا گھونٹ دیا، ہزاروں مدارس بند ہو گئے۔ اب جب ہزاروں مدارس بند ہو گئے تو عوام کو دین کون سکھائے گا؟ یہ

دین محفوظ کیسے رہے گا؟ پھر مزید اس نے یہ کیا کہ پادریوں کی جماعتیں بلائیں اور ان کے ذریعے سے دین کو بگاڑنے کے لیے اس امت کے اندر فتنوں کا زہر ڈالنا شروع کیا۔

چنانچہ ان کے آنے کے بعد قادیانیت کا فتنہ شروع ہوا، بڑے فتنے شروع ہوئے، یہ انہوں نے دین اسلام کو مسخ کرنے کا طریقہ بنایا۔

علمائے کرام کی مزاحمت:

بالآخر مدارس کے علما کھڑے ہوگئے، ان میں ایک مدرسہ تھا جس کا نام تھا جامعہ رحیمیہ، یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ تھا۔ جس سے اللہ رب العزت نے اس برصغیر کے اندر حدیث کے علم کو پھیلایا، اس لیے حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو جامع الاسانید کہتے ہیں۔ جو بھی عالم آج برصغیر میں حدیث کی سند بیان کرتا ہے، وہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوکر آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتی ہے۔

ان کے بیٹے تھے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، پھر انہوں نے انگریز کے خلاف فتویٰ دیا، یہ پہلا فتویٰ تھا جو مدارس کی طرف سے نکلا کہ اب انگریز سے آزاد ہونا امت کے لیے لازم ہوگیا۔ اور یہ فتویٰ بنیاد بنا اس ملک کی فرنگی سے آزادی کا۔ انگریز کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے جامعہ رحیمیہ کی عمارت ختم کرکے اس پر ایک بلڈوزر چلادیا، نشان ہی مٹادیا۔ چونکہ فتویٰ آچکا تھا، چنانچہ علما انگریز کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ تو اس نے علما کے اوپر بڑی سختیاں کیں۔

علمائے دیوبند کی قربانیاں:

آپ کبھی اکابر علمائے دیوبند کی تاریخ پڑھیں تو صحیح پتہ چلے گا کہ پھر ان علما نے دین کے لیے کیا قربانیاں دیں؟ ایسا بھی ہوا کہ دہلی میں انگریزوں نے انگارے

جلائے اور بڑے بڑے علما کو بلایا اور انگاروں پہ لٹایا کہ ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو ورنہ انگاروں پہ لٹائیں گے۔ وہ انگاروں پہ لیٹے رہے جان دے دی مگر انہوں نے اپنے ایمان کا سودا نہیں کیا۔ ایسا بھی ہوا کہ سو علما کو بلا کر سامنے کھڑا کیا اور ان کے سامنے سو فوجیوں کو بندوقیں دے کر کھڑا کر دیا۔ ان کو کہا کہ ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو! انہوں نے انکار کیا تو کہا کہ اچھا پھر بھاگ جاؤ، جب علما پیٹھ پھیر کر جانے لگے تو پیچھے فوجیوں نے گولیاں مار کر سب کو زمین پر لٹا دیا۔ ایسا بھی ہوا کہ مختلف شہروں اور بستیوں میں جو جید علما تھے، جن کی بات مانی جاتی تھی، ان کی فہرست بنائی، فرنگی نے ان کو گرفتار کیا اور پھانسی چڑھا دیا۔ دہلی سے لے کر پشاور تک جی ٹی روڈ کی سائیڈ پر کوئی بڑا درخت نہیں تھا جس پر کسی عالم کی لاش نہ لٹکائی گئی ہو۔ علما دین کی خاطر اتنی سختیاں برداشت کیں۔

ہمیں ایک مرتبہ کشمیر جانے کا موقع ملا تو ہم نے وہاں بھی ایک درخت دیکھا، بڑے درختوں کی عمریں سینکڑوں سال ہوتی ہیں، سو سال، سوا سو سال، تو وہ آخری درخت تھا۔ ہمیں لوگوں نے وہ جا کر دکھایا کہ اس کے اوپر فلاں فلاں علما کی لاشوں کو لٹکایا گیا۔ بادشاہی مسجد لاہور کے دروازے پہ پھندہ لگایا گیا، ایک عالم کو لایا جاتا، پھانسی پر لٹکایا جاتا، جب تک لاش تڑپتی رہتی عوام کا مجمع دیکھتا رہتا اور جب لاش ٹھنڈی ہو جاتی تو پھر دوسرے عالم کی باری آتی، چوبیس گھنٹے ان کو تان تان کر پھانسی دی جاتی۔ فرنگی یہ چاہتا تھا کہ علما کو اتنی سزائیں دو کہ یا تو یہ ہماری بات مانیں اور یا عوام توبہ کرے کہ ہم نے اپنے بچوں کو مولوی نہیں بنانا، یہ فرنگی کا مقصد تھا۔ لیکن میں سلام کرتا ہوں ان علما کی عظمت کو کہ انہوں نے جانیں تو دے دیں مگر ایمان کا سودا نہ کیا۔

﴿وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ﴾

''اور وہ جنہوں نے اللہ کو مضبوطی سے پکڑا''

دین کو سینے سے لگائے رکھا، ساری تکلیفیں برداشت کیں، دین کے اوپر جمے رہے۔ نتیجہ کیا نکلا کہ سارے ظلم وستم سہنے کے باوجود وہ پہاڑ کی طرح استقامت کے ساتھ کھڑے رہے۔ علما تو بڑے ہوتے ہیں، علما کے شاگردوں نے بھی استقامت دکھائی۔

فرنگی نے حضرت مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھجوایا کہ اگر تم ہمارے خلاف کچھ بولو گے تو ہم تمہیں مروا دیں گے، انہوں نے اس کے جواب میں کچھ اشعار لکھے: ؎

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب میں سامانِ بقا میرے لیے ہے
پیغام ملا تھا جو حسین ابنِ علی کو
خوش ہوں کہ وہ پیغامِ قضا میرے لیے ہے
یوں ابرِ سیاہ پہ فداں ہیں سبھی مے کش
مگر آج کی گھنگور گھٹا میرے لیے ہے
اللہ کی رستے کی جو موت آئے مسیحا
اکسیر یہی اک دوا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
کہ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

یوں ڈٹے رہے، بالآخر اللہ نے وہ دن دکھایا کہ فرنگی کو یہاں سے نکلنا پڑا۔

فرنگیوں کی دوسری چال:

تو فرنگی نے ایک تو علما پر ظلم وستم ڈھائے ان کو شہید کیا اور دوسری حرکت اس نے یہ کی کہ عوام الناس کی طبیعتوں کو بدل دیا، علامہ اقبال نے شعر لکھا:

مشرق سر کو کچل دیتے ہیں
مغربی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ہم لوگوں کو اگر کسی سے دشمنی ہو تو کہتے ہیں کہ اس کی گردن اڑاؤ، بندہ مارو، فرنگی کا دستور اور ہے، وہ کہتا ہے کہ بندے کا رخ موڑ دو! چنانچہ اس نے عوام الناس کا رخ موڑ دیا، وہ کیسے؟ اس نے ایمان کی محنت کی بجائے ان کو روٹی کپڑے اور مکان کے پیچھے لگا دیا۔ عوام الناس کو مقصدِ زندگی ہی دوسرا دے دیا۔ روٹی کو تاریخ انسانیت میں کبھی اتنی اہمیت حاصل نہیں تھی جتنی انگریز کے دور میں آ کر اس نے پیدا کر دی۔ ہر بندے کو روٹی کپڑا اور مکان پر لگا دیا۔ ایسے لگتا ہے کہ جیسے ایمان نہیں، اصل مقصدِ زندگی روٹی کپڑا اور مکان ہے، اس نے عوام کا رخ موڑ کے رکھ دیا۔ چنانچہ ایسے بھی لوگ تھے کہ جلد ان کی کالی تھی اور عقل انگریزوں والی ہو گئی۔ وہ دنیا کے پیچھے بھاگ پڑے اور خوب بھاگے۔ انگریزی پڑھو، انگریزی علم حاصل کرو، پیسہ کماؤ پیسہ۔ چنانچہ آپ دیکھیں آج ہمارے سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کا مقصدِ زندگی کیا بن گیا؟ روٹی بن گئی۔

تو انگریز نے یہ دو کام کر دیے کہ علما پر ظلم و ستم ڈھائے اور مدارس کو ختم کر دیا اور دوسری طرف عوام الناس کے رخ کو بدل دیا کہ ایمان کی بجائے ان کو روٹی کپڑے مکان کے پیچھے لگا دیا، پھر اللہ رب العزت نے علما سے کام لیا اور الحمد للہ کہ انہوں نے یہاں سے اس بد بخت کو نکالا، وہ تو دین کا دشمن تھا:

دل کے میخانے مئے مغرب نے کر ڈالے خراب
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی ایجاد

وہ آیا ہی اس لیے تھا کہ یہ جو دل کی انگیٹھی گرم ہے ایمان سے، اس کو ٹھنڈا کر دیا جائے۔

وہ تو چاہتا ہی یہی تھا کہ

؎ وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے جسم سے نکال دو

وہ تو آیا ہی اسی لیے تھا اس لیے علامہ اقبال نے لکھا کہ ع

ان امتوں کے باطن نہیں پاک

وہ تو ناپاک باطن لے کر آئے تھے اور اس امت کو دین سے ہٹانا چاہتے تھے، جس کے لیے انہوں نے پوری کوشش کر ڈالی چنانچہ امت کا ایک بڑا طبقہ ان کے پیچھے چل پڑا، انگریزی کے پیچھے۔ اس کو علامہ اقبال نے عجیب انداز سے کہا ہے:

قمریانت را نوا ہا خواستہ
سرو ہایت را قبا ہا خواستہ
آں نگاہش سِرِّ ما زاغ البصر
سوئے قوم خویش باز آید اگر
مے شناسد شمع و پروانہ را
نیک داند خویش و ہم بیگانہ را
لیست منی گویدت مولائے ما
وائے ما اے وائے ما اے وائے ما

"تیرے قمریوں کے نالے مستعار کے ہیں۔ تیرے سرو کا قد کاٹھ مستعار کا ہے وہ ہستی جس کی نگاہ مازاغ البصر کا سر ہے۔ وہ اگر دوبارہ اپنی قوم کی طرف واپس آ جائے۔ وہ پہچان لیں گے شمع اور پرو ... اور اچھی طرح جان لیں گے اپنے ... بیگانے کو، میرے آقا لیست منی (تم میرے نہیں) کہیں گے۔ ہائے افسوس، ہائے افسوس، ہائے افسوس۔"

ہمارے حلق کے اندر، باتیں ان کی، ہمارے جسم پہ لباس ان کا ایسے بن گئے

ہیں کہ اگر اللہ کے حبیب دوبارہ اس دنیا میں آئیں اور دیکھ لیں تو فرمائیں گے

لَیْسَتْ مِنِّیْ. تم میرے نہیں ہو۔

تو ان علما کی قربانیوں سے اللہ نے وہ دن بھی دکھایا کہ جب یہ فرنگی یہاں سے دفعہ دور ہوا۔ علامہ اقبال نے اس پر لکھا:

اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ
تعمیر آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہلِ جنوں کے حق میں بجلی ہے آشیانہ
یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

خارجی فتنے کے بداثرات:

اب جب انگریز اس ملک سے گیا تو عوام الناس کے اندر دین سے بے طلبی آگئی، دین کے اندر بے رغبتی آگئی۔ ان کا مقصد بس یہ تھا کہ اولاد کو مولوی نہ بناؤ، مدرسے کی بجائے سکول کالج میں پڑھاؤ، تاکہ اسے اچھی نوکری مل سکے۔ رخ بدل گیا، ہر ایک کو معاش کمانے اور سٹیٹس بنانے کی فکر لگ گئی، بھول گئے کہ ہمارا مقصدِ زندگی کچھ اور ہے۔

خارجی فتنے کا سدباب...... دعوت و تبلیغ کی محنت:

اب یہ خارجی فتنہ تھا تو اللہ رب العزت نے اس خارجی فتنے کے سدباب کے

لیے، پھر ایک خارجی محنت شروع فرمادی۔ وہ محنت تھی دعوت وتبلیغ کی محنت۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خانقاہی نظام کے بندے تھے، ان پر اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کا کام کھولا۔ دین کی طلب پیدا کرنے کے لیے بے طلبوں کے پاس گھر گھر جانے کا ایک کام ان کے سامنے کھول دیا۔

دعوت کا کام کیسے شروع ہوا:

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ امت کی اصلاحِ احوال کے بارے میں فکرمند رہتے تھے۔ اسی فکر کا نتیجہ تھا کہ انہیں خواب میں بشارت ملی کہ ہم تجھ سے دین کا کام لیں گے۔ شروع میں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بڑے پریشان تھے کہ یہ کام کیسے ہوگا؟ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کے پاس گئے اور کہا کہ میں بڑا فکرمند ہوں؟ انہوں کہا کہ گھبرانے کی کیا بات ہے؟ خواب میں یہ تو نہیں کہا گیا کہ کام کرو! خواب میں تو کہا گیا ہے کہ ہم آپ سے کام لیں گے۔ تو کام تو وہ خود لیں گے آپ کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ جو ابھی زندہ ہیں، محمد شاہ صاحب دامت برکاتہم جو مسکین پور شریف میں اس وقت گدی نشین ہیں، عالم ہیں، یہ بات انہوں نے خود بتائی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور انہوں نے تحریراً یہ واقعہ لکھ کر دیا کیونکہ وہ اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں۔ لہٰذا حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے اور دار العلوم دیوبند میں اس وقت یہ مقیم تھے۔ فرمایا کہ حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، انہوں نے آکر خواب سنایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، لوگ آرہے ہیں اور وہ بستر ان کے کندھے پر ڈال

کر ان کو رخصت کر رہے ہیں، حضرت اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو حضرت نے کہا کہ مولانا آپ سفر سے آئے ہو تو آپ کا بستر کہاں ہے؟ حضرت! یہ ہے میرا بستر تو حضرت خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے بستر اٹھایا اور ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے راستے میں نکلو، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بالآخر اس طرح دین کی دعوت کے کام پر لگے، مشائخ عظام سے ان کی محبتیں ان کے سامنے تھیں اور پھر الحمد للہ اس کام کو اللہ نے اتنی قبولیت عطا فرمائی کہ آج دنیا کے شاید سو سے زیادہ ملکوں کے اندر یہ دین کا کام ہو رہا ہے۔ بے طلبوں کے اندر طلب پیدا کرنا، یہ محنت اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی کہ خارجی فتنہ تھا، اس کے لیے محنت بھی خارجی تھی، نکلنے والی محنت۔

﴿انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ درباری ملاؤں اور حکمرانوں کے داخلی فتنے کے سد باب کے لیے اللہ نے داخلی محنت کرنے والوں کو کھڑا کر دیا اور خارجی فتنے کے سد باب کے لیے خارجی محنت کرنے والوں کو کھڑا کر دیا۔ یہ دین کی حفاظت کے طریقے ہیں۔

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا سنہری ملفوظ:

چنانچہ الحمد للہ آج بھی کہیں علما اور مشائخ دین کا کام کر رہے ہیں اور کہیں جماعت والے دین کا کام کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات بڑی عجیب ہے یہ ان کے ملفوظات میں لکھی ہے اس لیے اسے یاد رکھیں۔ یہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں تحریر شدہ بات ہے، فرماتے ہیں:

”علم و ذکر کے بغیر دین کی دعوت کا کام کریں گے تو صدیوں کے فتنے

سالوں میں آجائیں گے اور علم وذکر کے ساتھ کام کریں گے تو جو ہدایت صدیوں میں آتی تھی وہ اللہ کی رحمت سے سالوں کے اندر آجائے گی"۔

اس لیے یہ جو چھ پوائنٹ (نمبر) ہیں ان میں علم وذکر مستقل ایک پوائنٹ ہے۔ شروع شروع میں جو حضرت کے پاس سہ روزہ کے لیے آتے تھے تو حضرت ان کو خانقاہ رائے پور بھیج دیتے تھے کہ بھئی! وہاں جا کر سہ روزہ گزار کے آؤ، خانقاہوں میں اللہ والوں کے پاس بھیج دیتے تھے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ تو علم وذکر کے ساتھ اگر دین کا کام ہوگا تو ہدایت بہت جلدی آگے بڑھے گی۔

دو طرح کے لوگ:

تو اس امت میں دو طرح کے لوگ ہوں گے، کچھ ہوں گے جن پر تبلیغ غالب ہو گی علم وذکر جڑا ہوا ہوگا اور کچھ ہوں گے جن پر علم وذکر غالب ہوگا اور تبلیغ جڑی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ امت میں ہدایت کا نظام اسی طرح چل رہا ہے، یہ دونوں شعبے اپنا اپنا کام کرتے رہیں گے، دین آگے بڑھتا رہے گا، امت دین کے اوپر لگی رہے گی۔ جماعت کے لوگ غافلوں کو پکڑ پکڑ کر مسجد تک لائیں گے اور اللہ والے ان مسجد میں آنے والوں کے ظاہر کے ساتھ ساتھ ان کے باطن کو بھی سنوار دیں گے، تب انسان کامل بنے گا۔ دونوں محنتیں ضروری ہیں، مل کر کام کریں گے۔

عالمی فتنہ......سائبر فتنہ

یہاں تک تو بات ہوئی ماضی کی، اب کریں بات حال کی۔ اب ایک تیسرا فتنہ اس امت پر آیا ہے جس کو کہتے ہیں عالمی فتنہ۔ پہلے دو فتنے تھے: ایک داخلی فتنہ اور ایک خارجی فتنہ۔ تو داخلی فتنہ کے سدِ باب کے لیے اللہ نے خانقاہ والوں سے کام لے

لیا اور دین اکبری کا نام و نشان مٹا دیا اور خارجی فتنے نے چونکہ بے طلبی پیدا کر دی تھی تو طلب پیدا کرنے کے لیے گھر گھر جا کر یہ عمومی گشت اور خصوصی گشت، ماشاء اللہ! اللہ نے جماعتوں کو کھڑا کر دیا۔ اب جدید دور میں ایک نیا فتنہ ظاہر ہوا ہے، جس کو کہتے ہیں عالمی فتنہ۔ یہ فتنہ کیا ہے؟ کہ کفر نے دین اسلام کو زندگیوں سے نکالنے کے لیے اس وقت ایک سائبر جنگ شروع کر دی ہے۔ میں آسان الفاظ استعمال کروں گا تاکہ طلبا سمجھ سکیں۔

سائبر فتنے کے دو ہتھیار:

دو ہتھیار ایسے انہوں ایجاد کیے ہیں جو ایمان کو مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔

(۱) انٹرنیٹ (Internet)

(۲) سیل فون (Cell Phone)

پہلا ہتھیار......انٹرنیٹ:

یہ ''انٹرنیٹ'' پہلا ہتھیار ہے۔ Internet کو تو کہنا چاہیے (Enter into the net) یعنی جال کے اندر داخل ہو جاؤ۔ مدارس کے طلبا ابھی بے خبر ہیں، الحمد للہ، ابھی ان کو کچھ پتہ نہیں لیکن اس انٹرنیٹ سے دنیا میں کتنی تباہی پھیل رہی ہے، کتنی امت ایمان سے محروم ہو رہی ہے، اس کا اندازہ وہ کر سکتا ہے جس کو سفر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ عریانی فحاشی اتنی عام ہو گئی ہے کہ انٹرنیٹ کے اوپر ننگے بندے گھر میں بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ سکول کالج یونیورسٹی کے طلبا کو انہوں نے امتحانوں میں اسائنمنٹس دینی شروع کر دیں کہ جاؤ انٹرنیٹ سے تم فلاں انفارمیشن (معلومات) لے کر آؤ۔ اب جو بندہ کمپیوٹر کھول کر بیٹھتا ہے، کام وہ اپنا کر رہا ہوتا ہے، سامنے ننگی تصویریں آ جاتی ہیں۔ اب اس بندے کا ایمان کیسے بچے گا بھئی؟ تو یہ چیزیں

انہوں نے عام کر دیں جس کی وجہ سے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان گھنٹوں سکرینوں پہ بیٹھ کر گندی فلمیں دیکھتے ہیں، گندے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے رابطے کا طریقہ بھی بتادیا، یہ فیس بک ہے، اس کے ذریعے رابطے کرو۔

دوسرا ہتھیار......سیل فون:

اور دوسرا ہتھیار جو ہے اس کا نام ہے سیل فون، جس کو میں کہا کرتا ہوں ''ہیل فون'' یہ جہنم کا فون ہے۔ قسمت والے ہوں گے جو سیل فون کے فتنے سے بچ کر جنت میں جائیں گے، لاکھوں نہیں کروڑوں انسان قیامت کے دن اس سیل فون کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ شیطان کے ہاتھ میں انسانوں کا ایمان برباد کرنے کے لیے تاریخ میں کبھی ایسا مہلک ہتھیار نہیں آیا تھا، جو یہ مصیبت سیل فون کی آئی ہے۔ یہ بھی ضرورت اور ہے بھی مصیبت۔ جس نوجوان کو دیکھو سیل فون کے ذریعے لڑکی سے رابطہ، کیا نمازی، کیا تہجد گزار، کیا ذاکر کیا غافل، سب پیچھے لگ گئے اس کام کے۔ اور کفر نے Planing (منصوبہ بندی) کے ساتھ کمپنیوں کو یہ کہہ دیا کہ تم ایمان خراب کرنے کے لیے پالیسیاں بھی جاری کرو! چنانچہ انہوں نے کیا کیا؟ سیل فون والی کمپنی کے کمرشل بورڈوں پر لکھا ہوتا ہے ''کرو بات ساری رات'' رات کو فری بالکل فری۔ ہمیں لوگوں نے خود بتایا کہ ہم تو جی تین تین گھنٹے چار چار گھنٹے غیر محرم سے باتیں کرتے ہیں۔ اب اگر نوجوان تین چار گھنٹے ہی غیر محرم سے باتوں میں لگا دیں گے تو وہ قوم پڑھے گی کیا؟ اور کرے گی کیا؟

چنانچہ کالجوں یونیورسٹیوں میں ایک عام شکایت ہے، پروفیسر کہتا ہے کہ جی طلبا آتے ہیں اور سوئے ہوتے ہیں کلاسوں میں۔ راتوں کو نیندیں پوری نہیں ہوتیں صبح کو سورہے ہوتے ہیں۔ اور ان کا نہ تعلیم میں دل لگتا ہے، نہ ان کو کچھ یاد رہتا ہے۔

کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

پوری امت کو اس فتنے نے اس کام کے اوپر لگا دیا۔ اب بتایئے کہ روحانی حالت کتنی خراب ہوگئی؟

امام گوگل کے پیروکار:

اس ملک میں پھر بھی اثرات کم ہیں الحمد للہ ...... ایک دفعہ سعودی عرب ائیرپورٹ پر یہ عاجز پاکستان آنے کے لیے بیٹھا تھا، تو ایک انگریزی اخبار دیکھنے لگ گیا کہ ابھی وقت ہے، دیکھوں اس وقت کے حالات کیا ہیں؟ تو اخبار میں لکھا ہوا تھا کہ پاکستان دنیا کا ایسا ملک ہے جس میں انٹرنیٹ کا استعمال سب سے کم ہے۔ ۱۰ فیصد سے بھی کم لوگ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ الحمد للہ اتنی محنت کے باوجود اس ملک میں امام گوگل کے پیروکار ۱۰ فیصد سے بھی کم ہیں۔ یہ گوگل انٹرنیٹ کو استعمال کرنے اور سرچ کرنے کی ایک سروس ہے۔ تو عاجز کے لیے یہ ایک خوشی کی خبر تھی۔ میں نے تہجد میں دعا کی الحمد للہ یا اللہ تیری رحمت ہے۔

اور واقعی کفر اس بات پر بڑا پریشان ہے کہ اس ملک کے لوگ کیوں دین سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ کوششیں انہوں نے بہت کیں، این جی اوز بنائیں کہ لوگوں کو دین سے ہٹاؤ، نہیں ہٹا سکے۔ انہوں نے ایسی ایسی این جی اوز بنائیں کہ کالج کی لڑکیوں کے اندر آزاد خیالی پیدا کرو، عورتوں کے ذریعے سے سگریٹ نوشی کی عادت عام کر دو، مگر الحمد للہ مسلمان بچیاں اس عادت کے پیچھے نہیں لگیں سوائے دو چار پانچ دس کے۔ انہوں نے کوشش کی کہ غلط سی ڈیز پھیلا دو، مگر چند لوگوں نے دیکھیں۔ اور جو احساس رکھتے تھے انہوں نے اگر دیکھی بھی تو پھر توبہ کر لی، ان کا یہ کام بھی آگے نہ بڑھا۔ انہوں نے فلموں کے ذریعے، ڈراموں کے ذریعے، ٹی وی کے ذریعے، امت کا

ایمان خراب کرنے کی کوشش کی الحمد للہ کہ نہیں ہوا۔ اس وقت بھی جب فحاشی اتنی عام ہے، ہمارا یہ چھوٹا سا شہر ہے، اس کے محلے میں ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کسی گھر کی جوان لڑکی سکرٹ پہن کر باہر نکلے گی، سوچ ہی نہیں سکتے۔ الحمد للہ اس وقت بھی امت کی عورتوں میں اللہ نے دین کی اتنی محبت رکھی ہے۔ اس پر وہ بڑے ناراض ہیں کہ اس قوم کو کیا ہے کہ یہ دین کی جان نہیں چھوڑتی۔ اسی لیے تو پھر قیامت کے دن ہم کہہ سکیں گے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

تین بھینسوں کی کہانی:

ایک این جی اوز کی دو تین لڑکیاں تھیں ماڈ سکاڈ قسم کی۔ چھٹی کا دن تھا، اسلام آباد سے مری قریب ہے، ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں۔ کہنے لگیں: مری چلتے ہیں، ذرا وہاں جا کر Snow (برف) دیکھ کر آتے ہیں، انہوں نے سنو دیکھی، واپس آرہی تھیں تو راستے میں ایک عورت کو دیکھا جو بھینس چرا رہی تھی۔ انہوں گاڑی کھڑی کرلی، باہر نکلیں، آنٹی بات تو سنو! وہ بڑی عمر کی عورت تھی، آگئی، کہنے لگیں کہ آنٹی آپ بتاؤ کہ آپ کی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ اس نے کہا کہ میرا خاوند ہے، میرے بچے ہیں، میں صبح صبح اٹھتی ہوں اور گھر میں نماز پڑھتی ہوں، سورۃ یٰسین پڑھتی ہوں، پھر میں فجر میں ناشتہ بناتی ہوں، بچوں کو تیار کرتی ہوں اور بچوں کو ناشتہ کرا کے سکول بھیجتی ہوں، اور اس کے بعد جب خاوند کام پر چلا جاتا ہے، بچے چلے جاتے ہیں تو میں فارغ ہوتی ہوں۔ میں نے بھینس پالی ہوئی ہے، میں بھینس کو چرانے کے لیے یہاں آجاتی ہوں، شام کو بھینس کو لے کر واپس جاتی ہوں، گھر میں جا کر کھانے بناتی ہوں، بچوں کے ساتھ خاوند کے ساتھ کھانا کھاتی ہوں اور رات کو سو جاتی ہوں۔ آنٹی بس یہی ہے آپ کی زندگی؟ اس نے کہا کہ یہی ہے میری زندگی، آنٹی پھر تو آپ کی

کوئی زندگی نہ ہوئی، آپ کو تو پتہ ہی نہیں زندگی کا، بس ہمیں تو یوں نظر آتا ہے کہ ہمارے سامنے ایک یہ بھینس ہے اور ایک آپ بھی بھینس کی طرح ہیں۔ ان لڑکیوں نے کہا کہ آپ بھی بھینس کی طرح بس کام اپنا کر رہی ہو، آپ کو تو عورت کے حقوق کا پتہ ہی نہیں ہے۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ آپ ایک بھینس کی طرح ہو تو اب آنٹی بولی: آپ کون ہو؟ اپنے بارے میں بتاؤ! انہوں نے کہا کہ ہم تو اسلام آباد کی رہنے والیاں ہیں، ہم جاب کرتی ہیں اور پچیس ہزار روپے ہر ایک کی تنخواہ ہے، اور یہ ہے وہ ہے...... اور ہم عورتوں کو ان کے حقوق بتانا چاہتی ہیں کہ عورت کے کیا حقوق ہوتے ہیں؟ اس نے پوچھا یہ گاڑی؟ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری کمپنی کی گاڑی ہے، اور یہ ڈرائیور ہے جہاں ہم نے جانا ہوتا ہے یہ ہمیں وہاں لے جاتا ہے۔ آنٹی نے کہا کہ اچھا مجھے اب بات سمجھ میں آئی کہ تم تین بھینسیں ہو اور وہ تمہارا بھینسہ ہے۔

حمیتِ ایمان باقی ہے:

تو الحمد للہ کہ کفر نے پورا زور لگا دیا لیکن اس امت کی عورتوں کے اندر بے دینی کو پیدا نہیں کر سکے۔ من حیث القوم ایسا نہیں ہو سکا، ہاں کچھ ماڈرن اسکالڈ ہوتی ہیں، باہر سے آئی ہوئی مگر جو عوام ہیں الحمد للہ دین کے ساتھ ابھی چمٹے ہوئے ہیں اور یہ محنت ہے علما کرام کی، اس پر کفر بڑا پریشان ہے۔

ہمیں حیرت اس وقت ہوئی کہ ہم جدہ سے سعودی عرب سفر کر رہے تھے تو جو جہاز کے اندر ایئر ہوسٹس ہوتی ہیں ان کے بارے میں یہ عام تصور ہے کہ یہ ماڈرن لڑکیاں ہوتی ہیں، بے عمل لڑکیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک لڑکی نے میرے گھر والوں سے پوچھا کہ ان کی وضع قطع ایسی ہے کہ جیسے کوئی پیر ہوتے ہیں، تو میں نے کچھ دعا کروانی ہے، ہم نے دعا کر دی۔ تو وہ پھر میرے گھر والوں سے باتیں کرتی

رہی۔ اب باتوں میں اس نے ایک عجیب بات سنائی، وہ کہنے لگی کہ جی جو اس سے پچھلا دور گزرا ہے تو جو پاکستان میں بڑے تھے، انہوں نے بڑی کوشش کی کہ ایئر ہوسٹس کا لباس ہے کرتا اور شلوار، اس کی بجائے پینٹ اور شرٹ کر دی جائے۔ اس نے یورپ کے ڈیزائنروں کو پیسے دے کے بیس قسم کے سوٹ بنوائے کہ اس میں ایئر ہوسٹس کا کوئی لباس بنوائیں گے۔ کہنے لگی کہ جب ایئر ہوسٹسوں کو پتہ چلا تو پورے پاکستان کی ایئر ہوسٹس نے ہڑتال کر دی کہ ہم پینٹ شرٹ پہن کر نوکری نہیں کریں گی۔ اتنے دنوں کے بعد بالآخر وہ جو صدر صاحب تھے انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تم کرتا اور شلوار میں ہی نوکری کرو۔ ہم حیران ہو گئے یا اللہ جن کو ہم ماڈ سکارڈ بے دین سمجھتے ہیں اللہ نے ان میں ابھی بھی اتنی شرم رکھی ہے کہ وہ کرتے اور شلوار کی بجائے پینٹ اور شرٹ کو پسند نہیں کرتیں، تو کفر اس سے بڑا پریشان ہے کہ یہ قوم ایسی دین کے ساتھ چمٹی ہوئی ہے کہ جان ہی نہیں چھوڑتی۔ اور یہ برکت کس کی ہے؟ یہ برکت ہے علما اور ان صلحا کی جو دین پر امت کو لگائے ہوئے ہیں۔

نوجوان کی دادی کے لیے عجیب دعا:

اب یہ تیسرا فتنہ، پوری دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ یہ انٹرنیٹ کا فتنہ، ایسا خبیث ہے نہ چھوٹا بچا ہے نا بڑا، نہ دنیا دار بچا ہے نہ دین دار، الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ میرے پاس ایک نوجوان آیا، عمر تھی اس کی کوئی سترہ سال، ٹپ ٹپ آنسوؤں سے رو پڑا۔ مجھے بڑا اس پر پیار آیا کہ یہ نوجوان ہے اور رو رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ بچے کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگا کہ میری دادی کے لیے ہدایت کی دعا کریں۔ سترہ سال کا نوجوان دادی کے لیے دعا کروانے آیا، میں نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا کہ میرے دادا فوت ہو چکے ہیں، دادی جو ہے ۸۷ سال اس کی عمر ہے اور چھ چھ گھنٹے انٹرنیٹ پر بیٹھ کر گئی

تصویریں دیکھتی ہے۔ سترہ سال کا نوجوان روتا ہے کہ میری دادی کے ہدایت کی دعا کریں، یہ انٹرنیٹ ایسی خبیث چیز ہے۔

عالمی فتنے سے بچاؤ کیسے؟

تو کفر نے دنیا کے لوگوں کو اللہ سے اور دین سے دور کرنے کے لیے اور انہیں شہوت بھری زندگی میں لگانے کے لیے یہ سیل فون اور انٹرنیٹ ایجاد کر دیا، یہ اس وقت کا عالمی فتنہ ہے۔ اب اس عالمی فتنے سے بچنا بڑا مشکل ہے، کیسے بچیں گے؟ حدیث پاک میں ہے کہ قرب قیامت میں ایسے فتنے ہوں گے کہ ہر کچے اور پکے مکان میں پہنچیں گے، ہر بندے تک پہنچیں گے اور اس وقت ایمان اسی کا بچے گا جو سورۃ کہف پڑھے گا۔

سورۃ کہف کی تعلیم:

سورۃ کہف ہمیں کیا تعلیم دیتی ہے؟ سورۃ کہف کو پڑھیں تو اس میں ایک واقعہ نظر آتا ہے کہ چند نوجوان تھے:

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ (کہف:۱۳)

وہ اپنا ایمان بچانے کے لیے اور وقت کے بادشاہ کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے نکل پڑے اللہ کی طرف۔ اور پھر اللہ نے ان کو ایک غار میں سلا دیا اور غار کے اندر ان کا ایمان بچا رہا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو وہ بادشاہ بھی جا چکا تھا، وہ ظلم بھی ختم ہو چکا تھا۔ تو سورۃ کہف ہمیں تعلیم دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان ایمان والوں کا ایمان بچایا، آج کے اس دور میں ہمارا ایمان بھی تب بچے گا جب ہم بھی کسی کہف کے اندر زندگی گزاریں گے۔

مکہ اور مدینہ کا کہف:

اس دنیا میں دو بڑے کہف ہیں، مکہ اور مدینہ۔ یہ اتنے بڑے کہف ہیں کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دجال اکبر بھی ان شہروں میں نہیں آسکے گا۔ چنانچہ ایمان بچانے کے لیے کچھ لوگ مکہ اور مدینہ جائیں گے، حدیث پاک میں ہے کہ دین دار اور سادات کو بہت پریشان کیا جائے گا، قتل کیا جائے گا، شہید کیا جائے گا اور پھر وہ مکہ مدینہ کی طرف جائیں گے۔ تو دو کہف ہیں مکہ اور مدینہ اور ان کے علاوہ تین کہف اور ہیں۔ کیونکہ مکہ مدینہ تو دور ہیں اور ہر بندہ تو مکہ مدینہ نہیں جا سکتا، دیگر ملکوں میں کوئی کیسے ایمان بچائے گا؟ اس کے لیے تین کہف ہیں۔

(۱) مدارس کا کہف:

ایک کہف کا نام ہے مدرسہ، آپ نے دیکھا ہوگا جو طلبا آتے ہیں وہ الگ ماحول میں آجاتے ہیں۔ باہر کی دنیا سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا تو یہ مدارس بھی کہف ہیں۔ اساتذہ کے سامنے رہتے ہیں، اللہ کی محبت رہتی ہے، نمازوں کی فکر رہتی ہے، باہر کے فتنوں کا پتہ ہی نہیں ہوتا، باہر کیا ہو رہا ہے، خبروں کا بھی پتہ نہیں ہوتا تو یہ کہف میں رہنے کی مانند ہے۔ ایمان بچ جاتا ہے۔ آپ لوگ خود ہی تو کہتے ہیں کہ حضرت! یہاں رہتے ہیں تو کیفیت اچھی ہوتی، جمعرات کو گھر جاتے ہیں تو عجیب مصیبت ہوتی ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ یہ کہفی زندگی ہے۔ تو مدرسے کے طلبا کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے اس فتنے کے دور میں ایمان بچانے کے لیے آپ کو ایک کہف عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا اساتذہ کے ساتھ جڑے رہیں، ان سے مشورے کرتے رہیں، ان سے تربیت لیتے رہیں، ان کی بات مانتے رہیں، اپنے ایمان کو فتنوں سے بچاتے رہیں۔

(۲) تبلیغی جماعت کا کہف:

اور ایک کہف ہے تبلیغی جماعت۔ وہ کیسے؟ جو ایک سہ روزہ لگا لیتا ہے بس اللہ تعالیٰ ایسا دل بنا دیتے ہیں کہ پھر دین کی راہ میں، اللہ کی راہ نکلنے کو بیتاب رہتا ہے۔ کسی کی کچھ سنتا ہی نہیں، یار دوست کچھ کہتے پھریں، کسی کی سنتا ہی نہیں۔ ماں باپ روکیں، فلاں کچھ کہہ رہا ہے، وہ تو سنتا ہی نہیں کسی کی، مجھے تو نکلنا ہے، مجھے تو سہ روزے پہ جانا ہے، مجھے شب جمعہ گزارنا ہے۔ الحمد للہ یہ ایک کہف ہے جو اس کہف میں داخل ہو گیا اس کا ایمان بچ گیا۔ الحمد للہ! ثم الحمد للہ! اس امت کے کروڑوں نوجوان اس وقت اس کہف کی وجہ سے ہدایت کے اوپر جمے ہوئے ہیں۔ باہر فتنہ ہے باہر معصیت کی، گناہوں کی آگ لگی ہوئی ہے، یہ آج بھی تہجد کی فکر میں ہوتے ہیں، تکبیر اولیٰ کی فکر میں ہوتے ہیں، اپنے جسم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے سجانے کی فکر میں ہوتے ہیں، یہ بھی کہف میں ہیں۔

(۳) خانقاہوں کا کہف:

اور تیسرا کہف ہے جس کو کہتے ہیں خانقاہ کہ جہاں کہیں کوئی باخدا اللہ والا آنے والوں کو اللہ اللہ سکھا رہا ہے۔ اس کے جو متعلقین ہوتے ہیں وہ بھی ایک کہف کے اندر ہوتے ہیں، ان کے بھی ایمان بچے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ بھی رسم و رواج سے بچے، باہر کے فیشنوں سے بچے، فتنوں سے بچے، جب تک وہ جڑے رہتے ہیں وہ کہف کے اندر ہوتے ہیں۔

تو اس وقت تین کہف ہیں جو ایمان کے بچانے کا سبب ہیں۔ کوئی مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو، یا تبلیغی جماعت کی محنت ہو۔ اللہ نے اس وجہ سے ایمان کو بچایا ہوا ہے۔

مدارس کے طلبا کی خوش نصیبی:

تو آپ خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے آپ کو مدرسے کی زندگی ساتھ جوڑا ہے۔ پریشان نہ ہوں، بعض طلبا سوچتے ہیں کہ جی ہمیں تو باہر کی دنیا کا پتہ ہی نہیں۔ بھئی! یہ نقصان کی بات نہیں ہے، یہ خوشی کی بات ہے، یہ صفت کی بات ہے کہ ہمیں برائی کے طریقوں کا پتہ ہی نہیں ہے، ہم فتنوں سے بچے ہوئے ہیں، الحمد للہ۔ آپ اگر گھر کے کمرے کے اندر ہوں اور باہر آندھی چل رہی ہو تو اندر بیٹھنے والے پریشان نہیں ہوتے ہیں، خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ جو باہر سے آتا ہے اس کے منہ کے اوپر مٹی برس رہی ہوتی ہے، جو باہر سے آتا ہے اسی کا منہ مٹی والا ہوتا ہے۔ تو بالکل یہی حال ہے، آج کے دور میں جو کہف کے اندر ہے وہ گناہوں کی معصیت کی مٹی سے بچا ہوا ہے، جو کہف سے نکلے گا وہ واپس آئے گا تو مٹی والا چہرہ لے کر آئے گا۔ تو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ہم اس پر خوش ہیں، الحمد للہ! اللہ نے ہم پر رحمت کر دی، ہمارا ایمان بچانے کے لیے اللہ نے ہمیں اصحاب کہف کے ساتھ جوڑ دیا۔

اس لیے مدرسوں میں یا ان جگہوں پر رہتے ہیں! اپنے آپ کو محروم القسمت نہ سمجھیں کہ جی ہم تو باہر ہی نہیں نکلتے، ہم محروم ہیں، نہیں! ہم تو خوش قسمت ہیں کہ ہم آندھی سے بچے ہوئے ہیں۔ جیسے کمرے کے اندر بیٹھا ہوا خوش ہوتا ہے کہ الحمد للہ میں اندر بیٹھا ہوں، میرا منہ مٹی والا نہیں ہوگا، ہم بھی خوش ہیں۔ الحمد للہ مدرسے میں رہتے ہیں، باہر نکل گئے تو مٹی والا ہی ہوتا ہے، اللہ نے بچایا ہوا ہے۔

چنانچہ کتنے نوجوان ہیں اور کتنی بچیاں ہیں جو مدرسوں کے ماحول میں رہ کر آج بھی اولیا والی زندگی گزار رہی ہیں۔ ہم نے پچھلے سالوں میں ایک کام شروع کیا، جو

بچیاں ہمارے مدرسۃ البنات میں تو نمازیں پڑھیں گی ان کو ہم انعام دیں گے۔ تو نمازوں سے کیا مراد پانچ فرض نمازیں، اور چار نفل نمازیں، اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد۔ اور استانیوں کو کہا کہ ان کا ریکارڈ رکھنا! تو خیال یہ تھا کہ مدرسے میں تین چار ایسی بچیاں نکل آئیں گی، جب ریکارڈ دیکھا تو بتیس بچیاں ایسی تھیں جن کی پورے سال میں نو نمازوں میں سے ایک نماز بھی قضا نہ ہوئی۔ تو دیکھو یہ کہف ایمان بچانے والا ہے یا نہیں۔ کتنے طلبا ایسے ہیں مختلف مدارس سے خطوط لکھ کر حالات بتاتے ہیں، الحمد للہ سالوں ان کی تکبیر اولیٰ قضا نہیں ہوتی، سالوں ان کی تہجد قضا نہیں ہوتی، اللہ کی ایسی عجیب مہربانیاں ہیں۔

تو مدرسے کے طلبا کو بھی ڈپریشن میں نہیں جانا چاہیے۔ ٹھیک ہے اللہ نے ہمیں دین کے لیے چنا ہے، ہم اپنے ایمان کو بچا کر زندگی گزار رہے ہیں، تو آج کے دور میں یہ ایمان بچانے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا آج اگر سنت زندہ ہے تو علما کی وجہ سے، آج دین زندہ ہے تو علما کی وجہ سے، آج سینوں میں ایمان موجود ہے علما کی وجہ سے، یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آج آپ حضرات اس ایمان کو سیکھنے کے لیے پھر یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کی خاص رحمت ہے اور اس کا خاص فضل ہے کہ اللہ نے ایمان کو محفوظ فرمایا۔

غفلت (لاعلمی) بھی ایک صفت ہے:

آپ کالجوں یونیورسٹیوں کے طلبا کو مت دیکھا کریں، ان کی جو اندر سے ابتر حالت ہے وہ ہم سے پوچھیں۔ کیونکہ لوگ دل کی جو باتیں بتاتے ہیں، حکیم کو جسمانی علاج کے لیے بتاتے ہیں یا پیر کو روحانی علاج کے لیے۔ یونیورسٹیوں کے نوجوانوں کی اندر سے فتنوں کی وجہ سے اتنی بری حالت ہے کہ کچھ نہ پوچھیں۔ کمپیوٹر نے ان کے ایمانوں کو برباد کر کے رکھا ہوا ہے۔ اور آپ تو ماشاء اللہ ایمانوں کو محفوظ کر کے

بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس لیے دیکھیں کہ غفلت کتنی بری چیز ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ "مت ہو جاؤ غافلوں میں سے"

لیکن عورت کے لیے صفت کے طور پر فرمایا:

﴿مُحْصَنَاتٍ غَافِلَاتٍ﴾

"پاکدامن عورتیں جو غافل ہوتی ہیں"

غافلات کا کیا مطلب؟ غافلات کا مطلب ہے کہ جن کو برائی کے طریقہ کار کا پتہ ہی نہیں ہوتا، غیر محرم سے اپنے رشتے جوڑنے کے طریقوں کا پتہ ہی نہیں ہوتا، جو بالکل اس سے ہٹی ہوئی ہوتی ہیں وہ غافلات ہیں۔ اچھی عورتیں پاکدامن رہتی ہیں۔ تو آج کے دور میں بھی یہی ہے کہ فتنوں سے بچیں گے، ایمان محفوظ رہے گا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اس عالمی فتنے سے بچنے کے لیے آج کھلی زندگی ضروری ہو گئی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ امام مہدی کو بھیجیں گے، پھر ماشاءاللہ! اللہ تعالیٰ پھر سے اسلامی قوانین کو نافذ فرمائیں گے، ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اس دنیا میں نافذ ہوں گے۔

اقامتِ دین کی کوشش منصبِ خلافت ہے:

اب اس وقت بھی الحمد للہ علماء صلحا جو دین کے نفاذ کی کوششیں کر رہے ہیں وہ بڑی ہمت والے ہیں، وہ بڑے بلند درجے والے لوگ ہیں، ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اس لیے کہ ایک ہوتا ہے مومن، اپنی زندگی کو شریعت اور سنت کے مطابق گزارنے والا، عبادت کرنے والا، رجوع الی اللہ رکھنے والا، توبہ پہ قائم رہنے والا، یہ مومن ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے خلیفہ، یہ وہ ہوتا ہے جو اللہ کی زمین پر اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کی محنت کر رہا ہوتا ہے اس کا درجہ بلند ہوتا ہے۔ تو الحمد للہ آج بھی ایسے لوگ

ہیں جو آج کے دور میں اس کے لیے کوششیں کر رہے ہیں، مگر وہ تھوڑے ہیں۔ دنیا کا فتنہ غالب آتا جا رہا ہے تو ہمیں دین کا کام کرنا ہے۔ کوئی اگر جماعت کا کام کر رہا ہے تو ہمارے دل کو ٹھنڈک پہنچے کہ الحمدللہ نبی علیہ السلام جس دین کو لائے اس کو محفوظ کرنے کے لیے یہ کام کر رہے ہیں۔ دیکھیں! اگر گھر کو آگ لگی ہوئی ہو تو جو آگ کو بجھا رہا ہو تو وہ کتنا پیارا لگتا ہے۔ تو گناہوں کی آگ لگی ہوئی ہے، اس گناہوں کی آگ کو بجھانے کے لیے اگر تبلیغی جماعت میں کوئی کام کر رہا ہے تو دل کو خوشی ہونی چاہیے، اگر مدرسے کی شکل میں کام کر رہا ہے تو خوشی ہونی چاہیے، اگر خانقاہ میں اللہ اللہ کے ذریعے بھی کوئی اللہ تو بہ کر رہا ہے تو خوش ہونا چاہیے، اس لیے کہ اللہ کی مدد کب اترتی ہے جب یہ اللہ والے اللہ سے مانگتے ہیں۔

دو قسم کے لشکر:

اس لیے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں ایک عجیب بات لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک لشکر غزا ہوتا ہے، غازیوں کا لشکر، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو آگے بڑھ کے نفاذ شریعت کے لیے کام کر رہے ہوتے ہیں، یہ غازیوں کا لشکر ہے۔ اور فرماتے ہیں ایک لشکرِ دعا ہوتا ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اگرچہ اپنے گھروں میں، اپنے مدرسوں میں، اپنی خانقاہوں میں ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے ان بھائیوں کے لیے رات کے اوقات میں دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں: اللہ ان کو کامیابی دے، ان کی مدد فرما، تو وہ فرماتے ہیں کہ لشکرِ دعا لشکر غزا پر فضیلت رکھتا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ لشکر غزا والے تو اپنی محنت کر رہے ہوتے ہیں اور لشکرِ دعا کی وجہ سے اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہو رہی ہوتی ہے اور وہ اعلیٰ چیز ہے، جب تک اللہ کی مدد نہ ہو بندہ کچھ نہیں کر سکتا۔

تمام شعبوں کا مقصد ایک ہے:

اس لیے ان تمام شعبوں کو مل کر کام کرنا چاہیے، یہ الگ الگ نہیں ہیں۔ بسا اوقات طلبا پوچھنے لگ جاتے ہیں: یہ الگ ہیں یہ الگ ہیں، یہ اجتماعی محنت ہے یہ انفرادی محنت ہے، یہ بے وقوفی کی باتیں ہیں۔ خارجی فتنوں کے لیے اللہ نے یہ نعمت دی، داخلی فتنوں کے لیے اللہ نے یہ نعمت دی، دونوں اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اور آگ بجھانے کے لیے جو بھی کام کر رہا ہے نبی ﷺ کو راحت پہنچا رہا ہے۔ تو یہ دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ہم جڑ کے رہیں، محبت سے رہیں، پیار سے رہیں۔

اس لیے مدارس کے طلبا کو ایک تو جتنے دین کے شعبوں میں کام کرنے والے لوگ ہیں سب کے ساتھ محبت پیار رکھنا چاہیے۔ بعض کا معاملہ ہوگا کہ تبلیغ غالب ہوگی علم و ذکر جڑا ہوا ہوگا۔ اور بعض پر علم و ذکر غالب ہوگا اور تبلیغ ان کے ساتھ جڑی ہوئی ہوگی۔ مگر یہ سب آپس میں مل کر ایک مقصد کے لیے کام کرنے والے لوگ ہیں، یہ محبت پیار سے کام کریں اور دعائیں مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے اور آج کے دور میں اس عالمی فتنے سے اللہ ہمیں محفوظ فرمائے۔

طلبا کو نصیحت:

اور بچو! یہ سیل فون سانپ اور بچھو سے زیادہ نقصان دہ ہے، سانپ نے ڈسا تو جان جائے گی، سیل فون نے ڈسا تو ایمان جائے گا۔ ضرورت بھی اگر کسی کو ہو تو بس اس کو تو ایسے سمجھے کہ بچھو ہاتھ میں لے رہے ہیں، کام کرو اور ختم۔ اور یہ سیل فون پہ میسج کرنے اور سیل فون پہ باتیں کرنا اور اس کو ماں باپ سے اور ٹیچر سے چھپا چھپا کے رکھنا اور خوش ہونا، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اس مصیبت

سے جان چھڑائیں ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج کے اس دور میں ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے اوپر جمائے رکھے اور دین کے جس شعبے میں اللہ چاہے ہمیں خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ یہ ہمارا احسان نہیں ہے کہ ہم دین پڑھنے آگئے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی
منت ازو شناس کہ در خدمت گزاشتن

''اے دوست! بادشاہ پر احسان نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے، بادشاہ کی خدمت کرنے والے لاکھوں ہیں، اس کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں خدمت کے لیے قبول کرلیا۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ میرے اللہ! تیرا کتنا کرم ہے، تیرا کتنا احسان ہے، ہمارے جسم کا ہر ہر بال زبان بن جائے، میرے مولیٰ! ہم تیرا شکر ادا نہیں کرسکتے کہ تو نے اس فتنے کے دور میں ہمارے اس ایمان کو محفوظ رکھا ہے، اپنی محبت سینوں میں ڈالی ہے، قرآن کی محبت سینوں میں ڈالی ہے، جس کو پڑھنے کے لیے یہ سارے بچے ماشاء اللہ اپنے گھروں سے آئے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں دین کے اوپر جمائے رکھے، دین کے اوپر لگائے رکھے۔ قیامت کا دن ہوگا نبی ﷺ کھڑے ہوں گے، پھر صحابہ کی جماعت ہوگی، پھر فقہا ہوں گے، پھر محدثین ہوں گے، مشائخ صوفیا ہوں گے، نیک لوگ ہوں گے۔ تو پھر اس دن اس دین کے علم کی نسبت سے اللہ ہمیں بھی انہیں کے پیچھے کھڑے ہونے کی توفیق دیں گے، چونکہ پیچھے جو ان کے چلے تھے۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے، میرے بندے کیا لائے؟ اب اعمال تو ہیں نہیں صرف اتنا کہیں گے: میرے اللہ! ہمارے پاس کوئی عمل تو ایسا نہیں ہے جو آپ کو پیش کرسکیں بس اتنا ہے کہ زندگی بھر ہم دین کے ساتھ جڑے رہے تھے۔

؎ تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

میرے مولیٰ! اگر ہماری اس نسبت کو قبول کر لیں تو ہمارے پاس ایک ہی چیز ہے۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو اک آسرا یہی ہے

اور اگر یہ نسبت اس دن قبول نہ ہوئی تو پھر سوچیں اللہ کے سامنے ہمارا کیا حال ہوگا؟ اللہ! چٹائیوں کے اوپر بیٹھ بیٹھ کے جسم پر ایسے گٹے پڑ گئے جیسے جانوروں کے پڑ جاتے ہیں، گائے بھینسوں کے گٹے پڑے ہوتے ہیں، اگر ہمیں بھی ان چٹائیوں پہ بیٹھ بیٹھ کے گٹے پڑ گئے اور پھر جہنم میں ڈالے گئے تو ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہا؟ میرے مولیٰ! ہم کمزور ہیں، تو ہمارے ایمان کی حفاظت بھی فرما دے اور ہمیں اپنا بھی بنا لے۔ اے اللہ! محبت کی نظر جو فضیل بن عیاض پر اٹھی کہ ڈاکوؤں کی سرداری سے نکال کر دلیوں کا سردار بنا دیا، محبت کی وہ نظر جو بشر حافی پہ اٹھی کہ دنیا کے شراب خانے سے نکال کر اپنی محبت کا جام پلا دیا، محبت کی وہ نظر جو جنید بغدادی پہ اٹھی کہ دنیا کی پہلوانی سے نکال کر روحانیت کی دنیا کا پہلوان بنا دیا، اللہ محبت کی وہ ایک نظر ہمارے سینوں پہ ڈال لیجیے، ایک مرتبہ اس محبت کی نظر سے دیکھ لیجیے! میرے اللہ! آپ ہی کے لیے یہ طلبا گھروں سے نکل کے یہاں آئے ہیں، اللہ مہربانی کر دیجیے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائیے، ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائیے اور اللہ ہمیں دین کے اوپر پوری زندگی لگے رہنے کی، جمے رہنے کی توفیق عطا فرما دیجیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ